مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۱ | محرم الحرام ۱۴۴۲ھ | ستمبر ۲۰۲۰ء | شمارہ ۸

طریق النجاۃ

نجات کا راستہ

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

طریق النجاۃ

(نجات کا راستہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے نجات کے طریقوں کے متعلق یہ وعظ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کو جامع مسجد کیرانہ ضلع مظفر نگر میں قریباً تین ہزار کے مجمع میں بیان فرمایا۔ جو سوا تین گھنٹے میں ختم ہوا۔ مولوی سعید احمد صاحب تھانوی برادر بزرگ علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب اعلاء السنن نے قلمبند کیا۔

حکیم الامت نے وعظ میں فرمایا تاریخ اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی دنیا دین کے ساتھ درست ہوتی ہے۔ یعنی جب ان کے دین میں ترقی ہوتی ہے تو دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے اور جب دین میں کوتاہی ہوتی ہے تو دنیا بھی خراب ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کو درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلیل احمد تھانوی

طریق النجاۃ

(نجات کا راستہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	مقصود حیات..	۷
۲..........	کفار کی حسرت..	۸
۳..........	مرض اور علاج..	۱۰
۴..........	دین کی آسانی..	۱۱
۵..........	دین میں تنگی نہ ہونے کی مثال..............	۱۲
۶..........	شریعت میں تنگی کے الزام کی حقیقت ومثال..........	۱۳
۷..........	اصلاح کی صورت..	۱۴
۸..........	قانون شریعت میں مصالح عامہ کی رعایت...........	۱۶
۹..........	مسلمانوں کے امراض..	۱۸
۱۰..........	تشخیص مرض..	۱۹
۱۱..........	قلب سلیم کی خاصیت..	۲۰
۱۲..........	دریافت احکام شرعیہ..	۲۱
۱۳..........	دین ودنیا کا تعلق..	۲۴
۱۴..........	دنیا میں کوئی مکمل آرام میں نہیں..............................	۲۴
۱۵..........	دنیادار اور دیندار کے حال میں فرق..............................	۲۶
۱۶..........	شاہ ابوالمعالی کا حال..	۲۷
۱۷..........	عاشق کا حال..	۲۸
۱۸..........	اجزائے دین..	۳۰

۱۹..........	قومی شعار..	۳۱
۲۰..........	جواب لاجواب..	۳۲
۲۱..........	شرعی دلائل کی بنیاد..	۳۲
۲۲..........	ہماری اخلاقی حالت..	۳۴
۲۳..........	علاج کی قسمیں..	۳۴
۲۴..........	بنیادی امراض..	۳۶
۲۵..........	مقصود علماء..	۳۷
۲۶..........	ملاجیون کی بے خوفی..	۳۷
۲۷..........	اہل مدارس کو حکیم الامت کا مشورہ..	۴۰
۲۸..........	نیک صحبت کی ضرورت..	۴۱
۲۹..........	طریق تعلیم و تربیت..	۴۳
۳۰..........	بھانڈ کا قصہ..	۴۵
۳۱..........	علماء کی صحبت حاصل کرنے کا طریقہ..	۴۶
۳۲..........	صحبت نیک کے فوائد..	۴۷
۳۳..........	مولانا قاسم نانوتوی کی فکر..	۴۸
۳۴..........	اولاد کی ذمہ داری..	۵۰
۳۵..........	مذہب کی روح..	۵۲
۳۶..........	صاحب کمال کی علامتیں..	۵۳
۳۷..........	نیک صحبت کے آداب..	۵۴
۳۸..........	صحبت نیک کا بدل..	۵۵
۳۹..........	اخبار الجامعہ..	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(وَقَالُوا لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ أَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ)(۱)

مقصودِ حیات

یہ ایک آیت ہے سورہ ملک کی۔اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے کفار کی ایک حکایت نقل فرمائی ہے یعنی ان کا ایک قول ہے جو کہ وہ قیامت میں کہیں گے مگر مقصود حکایات سے خود وہ حکایات نہیں ہوتیں خواہ وہ حکایات ماضیہ ہوں یا حکایات مستقبلہ (۲) بلکہ ان سے مقصود کوئی عبرت یا کسی بات کا جتانا ہوا کرتا ہے چنانچہ اس کے متعلق ایک آیت میں ارشاد بھی ہے۔

لَقَدۡ كَانَ فِي قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٞ لِّأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ (۳) کہ ہم نے جو قرآن شریف میں اگلی قوموں کے قصے بیان کئے ہیں ان سے عقلمند لوگوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ قصوں کے نقل کرنے سے غرض (۴) عبرت دلانا ہوتا ہے عبرت کا ماحصل قیاس ہوتا ہے (۵) یعنی پہلی قوموں کے حالات پر اپنے حالات کو کسی امر مشترک (۶) کی

(۱) ’’اور (کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے‘‘ سورۃ الملک: ۱۰ (۲) ماضی کا قصہ ہو یا مستقبل کا (۳) ’’ان (انبیاء وامم سابقین) کے قصہ میں سمجھ دار لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے‘‘ (۴) مقصود (۵) عبرت کا حاصل یہ ہے کہ اپنے حالات کو پچھلی قوموں کے احوال پر قیاس کریں (۶) جو کام دونوں میں مشترک ہو۔

وجہ سے قیاس کرنا اور اپنے لیے ان کی حالت کے مشابہ اپنی کسی حالت کی تقدیر (۱) پر اس امر کو ثابت کرنا جو کہ ان کے لیے ثابت ہو چکا ہے۔

اس مقام پر بھی حکایت کو نقل کرنے سے یہی مقصود ہے کہ وہ حکایت ہم کو سنائیں تا کہ ہم غور کریں اور جانچیں کہ جس امر پر ان کو وعید ہو رہی ہے (۲) ہمارے اندر بھی وہ پایا جاتا ہے یا نہیں اور ہماری حالت اس پر منطبق (۳) ہے یا نہیں اور اس سے نجات کا کیا ذریعہ ہے کہ ہم اس کو اپنا دستور العمل قرار دیں۔ یہ حاصل ہے مجملاً اس آیت کا جیسا کہ ترجمہ سے آپ کو معلوم ہوگا اور تفصیل اس کی بیان سے معلوم ہو جائے گی۔

ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار یوں کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو آج ہم اصحاب جہنم میں نہ ہوتے۔ اس ترجمے سے معلوم ہوا کہ کفار اپنی بدحالی کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ ہم بہت چوکے (۴) کہ ہم نے دنیا میں کرنے کا کام نہ کیا اور اس کرنے کو خدا نے اس حکایت میں دو باتوں میں منحصر کیا ہے۔ ایک تو سننے میں اور ایک تعقل اور سمجھنے میں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عمل علی الحق (۵) کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کسی سے سنا ہو دوسرے یہ کہ خود سمجھا ہو، کفار نے چونکہ نہ سنا تھا نہ خود سمجھا تھا اس لیے ان کو افسوس اور حسرت کی نوبت آئی۔ اس سے آپ کو آیت کا ماحصل مجملاً (۶) معلوم ہو گیا ہوگا۔

کفار کی حسرت

خدا تعالیٰ نے اس حکایت کو نقل کر کے اس پر انکار نہیں فرمایا اور اس کو غلط نہیں کہا بلکہ اگلی آیت میں اس کی تصدیق فرمائی فَاعْتَرَفُوا بِذَنْۢبِهِمْ جس سے معلوم ہوتا ہے انکا ذنب (۷) یہی تھا تو معلوم ہوا کہ یہ امر حق ہے اور ان ہی دو کا نہ ہونا باعث دخول جہنم ہوا (۸) بلکہ اگر اس کو نقل فرما کر سکوت (۹) بھی کیا جاتا تب بھی یہ حق سمجھا جاتا کیونکہ عقلی قاعدہ ہے کہ جس بات کو بیان کر کے اس پر سکوت کیا جائے اور رد و انکار (۱۰) نہ کیا جائے تو وہ حاکی کے نزدیک امر مرضی ہوا (۱۱) کرتا ہے۔ نیز اصولیین نے بھی یہ

(۱) اس حالت کی وجہ سے (۲) کام پر ان کو ڈانٹا جا رہا ہے (۳) اس کے مطابق ہے کہ نہیں (۴) ہم سے بہت کوتاہی ہوئی

(۵)حق پر عمل پیرا ہونے کے (۶)اجمالا آیت کا حکم معلوم ہوگیا (۷) گناہ (۸)دوزخ میں داخلے کا سبب یہی دو باتیں تھیں (۹)خاموشی اختیار کی جاتی (۱۰)اس کی تردید یا انکار نہ کیا جائے (۱۱)حکایت نقل کرنے والے کے نزدیک وہ بات پسندیدہ ہے۔

قاعدہ مقرر کردیا ہے۔

نیز قطع نظر اس مقدمہ کے اس کے حق ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ مقولہ قیامت کا ہے اور قیامت میں چونکہ سب امور منکشف (۱) ہوجائیں گے اس لیے کوئی جھوٹ نہ بولے گا اور اگر بعض آیات سے مثلاً وَاللهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ (۲) یہ شبہ ہو کہ ان لوگوں نے جھوٹ بولا۔ چنانچہ ارشاد ہے انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ (۳) تو جواب اس کا یہ ہے کہ جھوٹ ایک عارض کی وجہ سے بولا اور وہ عارض یہ ہے کہ بولنے میں ان کو نفع کی توقع تھی اور یہاں یہ بات نہیں ہے بلکہ اس قول میں خود ان ہی کا ضرر ہے (۴) کہ اعتراف ذنب لازم (۵) آتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت میں کشف حقیقت کا اصل مقتضاء (۶) یہ ہے کہ وہاں جو بات کہی جائے بالکل صحیح کہی جائے لیکن بعض لوگ عارض نفع کی وجہ (۷) سے اس مقتضاء کے خلاف کریں گے تو جس جگہ وہ عارض پایا جائے گا اس موقع پر تو ان کے قول میں کذب کا احتمال ہوگا اور جس موقع پر وہ عارض نہ ہو، وہاں اصل مقتضا کی وجہ قول کو صادق (۸) ہی سمجھا جائے گا۔ لہٰذا کفار کا یہ قول بالکل سچا ہے اور پھر جب کہ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید بھی موجود ہے تو اس کے صدق میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ (۹) انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ جس کی اوپر تقریر ہوچکی ہے۔

اب میں اصل مقصود کو بیان کرتا ہوں اور اس آیت سے ان شاء اللہ اس کو ثابت کردوں گا کیونکہ وہ مضمون اس آیت کا مدلول ہے (۱۰) اور اسکی ضرورت نہایت عام ہے۔ ہر وقت ہر جگہ ہر مسلمان کو اس کی ضرورت ہے ایسے مضامین بتلانا نہایت

(۱) ساری باتیں کھل جائیں گی (۲)''قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے ہم مشرک نہیں ہیں'' سورۃ الانعام: ۲۳ (۳)'' ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر'' سورۃ الانعام: ۲۴ (۴) نقصان ہے (۵) گناہ کا

اعتراف کرنا (۶) حقیقت حال کے کھل جانے کا یہ تقاضا ہے (۷) نفع کی امید پر (۸) بات کو سچا ہی سمجھا جائے گا (۹) ''غرض اپنے جرم کا اقرار (۱۰) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

ضروری ہیں۔ اور جیسے اس کی ضرورت عام ہے ایسا ہی اس کا فائدہ بھی نہایت عام ہے یعنی اس کے استعمال کے بعد حتمی فائدہ اس میں ہے۔ نیز یہ مضمون نہایت سہل ہے تو ان تینوں باتوں پر نظر کر کے اس کی ضرورت میں ذرا بھی کلام نہیں رہتا۔

مرض اور علاج

دیکھئے عقلی قاعدہ یہ ہے کہ مرض جس قدر صعب [1] ہوتا ہے اس کا علاج بھی اسی قدر صعب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو یا کسی جماعت کو یا کسی ایک شہر میں کوئی سخت مرض پھیل جائے تو عقلاء اس کے لیے نہایت سخت تدابیر تجویز کرتے ہیں اور جب یہ قاعدہ مسلم ہے اور عقلاء میں اس کو برداشت کیا جاتا ہے اور اگر برداشت کی تاب نہیں ہوتی تو علاج سے مایوس ہونا پڑتا ہے چنانچہ بعض مرتبہ اطباء کہتے ہیں کہ تمہارا مرض امیرانہ ہے۔ مثلاً کسی غریب آدمی کو جنون ہوجائے اور کوئی طبیب اس کا علاج شروع کرے اور کسی طرح اس کو فائدہ نہ ہوتو پریشان ہوکر طبیب کو یہ کہنا پڑے گا کہ بھائی تمہارا مرض تو امیرانہ ہے اور تم دو چار پیسے کی دوا میں اس کا علاج چاہتے ہو، یہ کیوں ہوسکتا ہے اس کے لیے بہت سخت تدابیر کی ضرورت ہے جن کی وسعت [2] تم میں نہیں ہے لہٰذا تم اچھے نہیں ہوسکتے۔ تو ازروئے عقل ہر مرض صعب [3] کی تدابیر بھی صعب ہوتی ہیں اور بعض اوقات مایوسی کی نوبت آتی ہے۔

لیکن اس طب میں جس کا نام طب ایمانی ہے کوئی درجہ بھی ایسا نہیں ہے کہ وہاں پہنچ کر مایوس کر دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اب تمہارا مرض لاعلاج ہوگیا ہے بلکہ ہر مرض کے لیے علاج موجود ہے۔ اور نہایت سہل علاج موجود ہے میں اس کو ان شاء اللہ بدلیل بیان کردوں گا کہ صعب سے صعب [4] مرض میں بھی نہایت سہل نسخہ تجویز کیا ہے اور یہ دلیل ہے خدا تعالیٰ کی رحمت عامہ کی اتنا بڑا مرض اور اس کا علاج

اس قدر سہل (۵)۔

(۱) سخت (۲) برداشت کی طاقت (۳) سخت مرض کا علاج بھی سخت ہوتا ہے (۴) سخت سے سخت (۵) آسان۔

دین کی آسانی

اس سے اس آیت کے معنی بھی منکشف ہوجائیں گے کہ یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلاَ یُرِیدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ [۱] اور وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّینِ مِنۡ حَرَجٍ [۲] یعنی خدا تعالیٰ نے دین میں تم پر کچھ تنگی نہیں کی۔

یہاں سے ایک جملہ معترضہ عرض کرتا ہوں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں کچھ تنگی نہیں ہے حالانکہ مشاہدہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ یعنی اکثر دینداروں کو عمل بالشرع (۳) میں بہت تنگی پیش آتی ہے اور جو لوگ آزاد ہیں وہ نہایت مزے میں ہیں کہ جو جی میں آیا کرلیا۔ ان کو کارروائی میں تنگی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر عمل کرنے میں تنگی ہے اور آزاد رہنے میں آسانی۔ کیونکہ دیندار آدمی کو تو قدم بقدم حرام کی فکر لگی رہتی ہے بلکہ جس بات کو ان سے پوچھئے اس کو حرام ہی کہتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو نہایت پریشانی اور تنگی ہوتی ہے۔

مثلاً اب آموں کی بہار (۴) آرہی ہے جو لوگ آزاد ہیں وہ تو نہایت چین میں رہیں گے کہ فصل شروع ہوتے ہی فروخت کردیں گے اگرچہ ابھی تک نرا پھول ہی ہو اور ان کو نہایت اچھے دام اٹھیں گے اور جو لوگ دیندار ہیں وہ اس فکر میں لگے رہیں گے کہ پھول فروخت کرنا حرام ہے لہٰذا اس وقت فروخت کرنا چاہئے کہ جب پھل آجائیں اور پھل بھی بڑھ جائیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی حفاظت کے لیے کم سے کم ۵ روپے ماہوار کا ایک ملازم رکھیں گے یا خود حفاظت کریں گے۔ پھر آندھیوں میں جو کچھ آم گریں گے سب ان کے گریں گے ان کی وجہ سے قیمت کم اٹھے گی (۵)۔ علیٰ ہذا اگر تجارت کریں تو شریعت پر عمل کرنے میں کوئی صورت قمار (۶) میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ کسی دادوستد (۷) میں سود لازم آگیا وہ اس لیے حرام ہے۔ غرض شریعت پر عمل کرنے میں ہر طرح تنگی و مصیبت ہے اور جب کوئی چیز بھی تنگی سے خالی نہیں تو یہ تو قرآن ہی میں

(۱)''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور تنگی پیدا کرنا نہیں چاہتے'' سورۃ البقرۃ:۱۸۵
(۲)سورۃ الحج (۳)شریعت پر عمل کرنے میں (۴)موسم (۵)کم ملے گی (۷)جوئے (۶)کسی لین دین میں۔

شبہ پیدا ہوا جاتا ہے۔(نعوذ باللہ من ذالک)

تو یہ شبہ بعض لوگوں کو پیدا ہونا ممکن ہے میں نے متعدد مقامات پر اس کا جواب عرض کیا ہے اس وقت بھی وہی جواب دیتا ہوں مگر توضیح کے لیے اول ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

دین میں تنگی نہ ہونے کی مثال

فرض کرو کہ ایک شخص مریض ہو اور وہ کسی طبیب کے پاس گیا اور نسخہ دریافت کیا اور حکیم صاحب نے نسخہ لکھا لیکن اتفاق سے مریض ایسی جگہ رہتا ہے کہ اس جگہ کوئی دوا دستیاب نہیں ہوتی۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے پرہیز بتلایا اور اتفاق سے اس گاؤں میں صرف وہی چیزیں ملتی ہے جن کی ممانعت کی گئی ہے اور جن چیزوں کی اجازت ہے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں۔ پس اگر یہ مریض حکیم صاحب کے نسخہ کو دیکھ کر اور پرہیز کو سن کر یہ کہنے لگے کہ طب میں نہایت ہی تنگی ہے کیونکہ دوائیں وہ بتلائیں جن میں سے ایک بھی میسر نہیں۔ غذائیں وہ تجویز کیں جو کبھی گاؤں بھر میں بھی نہیں آئیں۔ اور جتنی چیزیں کھانے کی ہیں وہ سب ممنوع(۱) کیں نہ بینگن کھانا نہ آلو کھانا نہ بھینس کا گوشت کھانا اور اس کے ساتھ ہی حکیم صاحب کو بھی اپنے جہل کی وجہ سے برا بھلا کہنے لگے، تو عقلاء اس کو کیا جواب دیں گے؟ یہی جواب دیں گے کہ طب میں تو ذرا بھی تنگی نہیں، اس شخص کے گاؤں ہی میں تنگی ہے کیونکہ طب میں تنگی تو اس وقت سمجھی جاتی جب کہ دو چار چیزوں کی اجازت ہوتی اور باقی چیزیں ممنوع ہوتیں اور جب کہ بیس کی اجازت ہے اور صرف چار کی ممانعت تو طب میں تنگی ہرگز نہیں بلکہ اس شخص کے گاؤں میں تنگی ہے کہ اس میں صرف وہی چیزیں منتخب ہو کر آتی ہیں جو کہ سراسر مضر ہیں تو علاج اس کا یہ نہیں ہے کہ حکیم صاحب کا نسخہ ردی کر دیا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے لوگوں کو مفید چیزیں فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے۔

جب یہ مثال ذہن نشین ہوگئی تو اب غور وانصاف سے دیکھئے کہ تنگی شریعت میں ہے یا یہ کہ آپ کے معاملات میں۔ شریعت کو تنگ اس وقت کہا جاسکتا تھا جب تجارت اور داد وستد[1] کی صرف دو چار صورتیں شریعت نے جائز بتلائی ہوں اوران کے ماسوا ساری صورتیں حرام کردیں اور جب کہ شریعت نے دو چار صورتوں کو حرام کرکے باقی سب کو جائز قرار دیا ہے تو شریعت کو تنگ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن شریعت اس کا کیا علاج کرے کہ آپ کے معاملہ کرنے والوں نے بدقسمتی سے ان ہی صورتوں کو اختیار کررکھا ہے جو حرام کردی گئی ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ آپ متفق ہوکر اصلاح کریں اپنی تجارت کو درست کریں جو شریعت نے کہی ہے نہ یہ کہ شریعت کو تنگ کہہ کر اس پر عمل کرنا ترک کردیں اور شتر بے مہار[2] کی طرح آزاد ہوجائیں تو آپ لوگوں کا شریعت پر اعتراض کرنا واقع میں اپنے اوپر اعتراض کرنا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

حملہ برخود می کنی اے سادہ مرد　　ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد[3]

مشہور ہے کہ ایک حبشی چلا جارہا تھا راستہ میں ایک آئینہ پڑا ملا۔ کبھی آئینہ دیکھنے کا اتفاق ہوا نہیں تھا اس کو اٹھا کر دیکھا تو اپنی کالی بھجنگ صورت نظر پڑی کہنے لگا کہ ایسا بدصورت تھا جب تو کسی نے یہاں پھینک دیا تھا۔ یہی بعینہ حالت ہم لوگوں کی ہے کہ اپنے عیوب کو شریعت میں ثابت کرتے ہیں۔

شریعت میں تنگی کے الزام کی حقیقت ومثال

صاحبو! اگر کسی معاملہ کی دس صورتوں میں سے نو صورتوں کو حرام اور ایک کو حلال کہا گیا ہوتا تو بے شک شریعت کو تنگ کہہ سکتے تھے اور جبکہ دس صورتوں میں سے آٹھ حلال اور صرف دو حرام ہیں تو شریعت کو تنگ کیسے کہیں گے البتہ اپنے کو ملزم کہیں گے کہ ہم نے حلال صورتوں کو ترک کرکے صرف ان دو کو اختیار کرلیا جو حرام تھیں۔ اگر آپ شریعت سے دریافت کرکے تمام معاملات کو کرتے اور پھر بھی کوئی صورت جواز کی نہ نکلتی

(۱) منع کردیں۔

(۱) لین دین (۲) آزاد اونٹ کی طرح مارے مارے پھریں (۳) ''اے سادہ لوح شخص تو خود اپنے اوپر حملہ

کررہا ہے اس شیر کی طرح جو کنویں کے پانی میں اپنے عکس کو دیکھ کر کنویں میں کود پڑا تھا''۔

تو شریعت پر تنگی کا الزام تھا۔ غضب ہے کہ ہم اپنی ہوا وہوس سے معاملات کو مقرر کریں اور پھر شریعت کو مجبور کریں کہ ان معاملات کو جائز کہے۔ گویا شریعت ہماری محتاج یا نوکر ہے کہ جو کچھ ہم کریں وہ اس کو جائز کردیا کرے۔

یہ تو بالکل ایسی بات ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ ایک رئیس کو لغو(۱) بولنے کی عادت تھی بہت اور اکثر بے تکی باتیں ہانکتے تھے لوگ ان پر ہنسا کرتے۔ آخر انہوں نے ایک شخص کو اس لیے نوکر رکھا کہ ہم جو کچھ کہا کریں اس کی کوئی معقول توجیہ کیا کرو۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ کسی مجلس میں تھا کہنے لگا کہ ہم شکار میں گئے ہرن کو جو گولی ماری تو وہ سم توڑ کر ماتھا پھاڑ(۲) کر نکل گئی۔ یہ سن کر تمام لوگ ہنسنے لگے کہ سم اور ماتھے میں کیا تعلق؟ فوراً اس نوکر نے کہا، حضور بجا ارشاد ہے وہ اس وقت کھر سے ماتھے کو کھجلا رہا تھا۔

تو ہمارے ہوا پرست(۳) اور دنیا پرست بھائی چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے منہ سے نکل جائے اس نوکر کی طرح شریعت اس کو جائز ہی کردے تو گویا شریعت آپ کی لونڈی ہوئی۔ صاحبو! آپ خود شریعت کے غلام بن جایئے اور پھر دیکھئے کہ کس قدر آسانیاں شریعت میں ہیں۔ حالت موجودہ میں دینداروں کو جو دقت پیش آتی ہے اس کا سبب زیادہ تر یہ بددین لوگ ہیں اس واسطے کہ دیندار آدمی معاملہ تو دوسروں ہی سے کرے گا اور وہ دوسرے وہی ہیں جو دین سے بالکل آزاد ہیں اور جنہوں نے اپنے سب معاملات بگاڑ رکھے ہیں تو اگر ایک آدمی تقویٰ اختیار بھی کرلے تو اس کو بیشک تنگی پیش آنی چاہئے مگر یہ تنگی قوم کے معاملات میں تنگی ہونے کی وجہ سے ہوئی نہ کہ شریعت میں تنگی ہونے کی وجہ سے۔

اصلاح کی صورت

پس آپ لوگ دو طرح اپنی اصلاح کیجئے ایک تو اس طرح کہ شریعت مطہرہ کو

کبھی الزام نہ دیجئے۔ دوسرے علماء سے طمع نہ رکھئے کہ وہ ناجائز صورت کو جائز کہہ دیں یا جائز کر دیں۔ صاحبو! مسائل شریعت ایک قانون ہے اور قانون میں کسی شخص کی رائے سے تغیر نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر مقنن (۱) خود ہی بدل دے تو وہ دوسری بات ہے۔ اسی طرح اگر سب لوگ قانون پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو ان کے چھوڑ دینے سے قانون نہیں بدل سکتا۔ بالخصوص خدا تعالیٰ کا قانون کہ ان کی حکومت کا مدار بندوں کی اطاعت پر نہیں۔

اگر کوئی کہے کہ نزول وحی کے وقت ہماری آئندہ حالت پر نظر کر کے قانون دوسرا مقرر ہوتا کیونکہ شریعت میں ہر زمانے کی مصالح کی رعایت ہونا چاہئے تو جواب اس کا یہ ہے کہ قانون میں مصلحت عامہ پر نظر ہوتی ہے مصالحہ خاصہ کی رعایت اس میں نہیں ہوسکتی۔

مثلاً گورنمنٹ کا قانون ہے کہ کوئی شخص بغیر لائسنس کے بارود اور چھرے نہیں بیچ سکتا۔ اس قانون کو سن کر اگر کوئی احمق یہ کہنے لگے کہ گورنمنٹ کے قانون میں بڑی تنگی ہے کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم بارود اور چھرے خوب فروخت کیا کریں لیکن قانون لائسنس کی بیخ لگاتا ہے (۲) تو عقلاً اس کو یہی جواب دیں گے کہ قانون مصلحت عامہ کی بناء پر مقرر ہوا کرتا ہے نہ کہ مصلحت خاصہ کی بناء پر کیونکہ اگر مصلحت خاصہ کی رعایت کی جائے اور ہر شخص کو بندوق و بارود رکھنے کی اجازت دے دی جائے تو امن عامہ میں خلل پڑ جائے اور جس شخص کا جو جی چاہے سو کر دے۔ بیسیوں خون روزانہ ہوا کریں تو امن عامہ کا مقتضا یہ تھا کہ ایسا جکڑ بند (۳) کیا جائے کہ عام طور پر اجازت نہ ہو اگرچہ کسی خاص شخص کا نقصان ہی کیوں نہ ہو البتہ اگر کسی شخص کا چال چلن اچھا ہو اور اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو اور وہ لائسنس بھی حاصل کر لے تو اس کی اجازت ہو جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ قانون مصلحت عامہ کی بناء پر مقرر کئے جاتے ہیں۔

اب جو لوگ شریعت پر اعتراض کرتے ہیں وہ غور کر کے دیکھیں کہ شریعت

(۱) بے ہودہ گفتگو (۲) پیر کا کھر توڑ کر پیشانی میں سے ہو کر گزر گئی (۳) خواہشات کے بندے۔

کے کسی قانون میں بھی مصلحت عامہ فوت ہوئی۔ ہاں مصالح خاصہ بعض جگہ فوت ہوجاتی

(۱) قانون بنانے والا یعنی اللہ پاک (۲) قید (۳) ایسی پابندی لگائی جائے۔

ہے جہاں ان کی رعایت کرنے سے مصالح عامہ میں خلل ہونے والا ہوتا ہے اور انہی پر نظر کر کے لوگ اعتراض کرتے ہیں۔

مثلاً اب آموں کی فصل آرہی ہے اس میں باغ والوکو یہ وہم ہوتا ہے کہ شریعت نے بہت تنگی کی ہے اور وجہ اس وہم کی یہی ہے کہ شریعت کے قانون پر عمل کرنے میں اپنی ذاتی منفعت فوت (۱) ہوجاتی ہے حالانکہ شریعت نے مصلحت عامہ کی بناء پر یہ قانون مقرر کیا تھا اور وہ مصلحت عامہ یہ ہے کہ بیع المعدوم (۲) میں آئندہ احتمال ہے مشتری کے خسارہ کا کہ اگر پھل نہ آیا تو اس کا روپیہ مفت ہی ضائع گیا اور پھل آنے کے بعد فروخت کرنے میں عام لوگ اس مصیبت سے محفوظ رہتے ہیں اگرچہ کسی ایک کے تھوڑے سے داموں کا نقصان ہو۔

پھر غضب یہ ہے کہ تنگی کا وہم کر کے بعض تو اس حکم کے شرعی ہونے ہی سے انکار کر دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ سب مولویوں کی اختراع ہے حالانکہ یہ محض الزام اور افتراء ہے (۳) اور اس کا سبب قلت علم اور کثرت جہل ہے (۴) جس شخص نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث یا اس کے ترجمے کو پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ سب احکام جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام ہیں اور بعض لوگ حکم شرعی ہونے سے تو انکار نہیں کرتے لیکن یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار لوگ ہیں ہم سے شریعت پر کیسے عمل ہوسکتا ہے میں ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا نہیں چاہتے تو خدا تعالیٰ کا دیا ہوا رزق بھی چھوڑ دو یہ کیا کہ شریعت پر عمل تو کریں مولوی اور خدا کا دیا ہوا کھاؤ پیو تم لوگ بھی۔

قانون شریعت میں مصالح عامہ کی رعایت

غرض شریعت میں تنگی محسوس ہونے کا راز یہ ہے کہ لوگ اپنی مصالح خاصہ پر

نظر کرتے ہیں اور جب ان کو فوت ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو شریعت کو تنگ سمجھتے ہیں حالانکہ

(۱) ذاتی فائدہ نہیں ہوتا (۲) جو چیز ابھی موجود نہ ہو اس کو بیچنے میں خریدار کے نقصان کا احتمال ہے (۳) بہتان (۴) علم کی کمی اور جہالت کی زیادتی ہے۔۔

شریعت یا کوئی قانون مصالح خاصہ کی حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوتا نہ ہوسکتا ہے کیونکہ مصالح خاصہ باہم متناقض ہوتے ہیں جن کا جمع ہوسکنا بھی محال ہے بلکہ قانون مصالح عامہ کی حفاظت کرتا ہے سو بحمد اللہ! قانون شریعت مصلحت عامہ کے خلاف نہیں ہے۔

مثلاً اسی آموں کی صورت میں آپ کہتے ہیں کہ پھل آنے کے قبل فروخت کی اجازت نہ دینا مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ بسا اوقات آندھی وغیرہ سے سارا پھول یا چھوٹے آم گرجاتے ہیں اور اس میں نقصان ہوجاتا ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ نقصان عام ہے یا خاص۔ ظاہر ہے کہ یہ نقصان خاص ہے کیونکہ اگر کسی جگہ دس ہزار کی مردم شماری ہو تو بمشکل سو آدمی ایسے ملیں گے جو کہ باغ رکھتے ہوں گے۔ باقی نو ہزار نو سو وہ ہوں گے جو باغ نہیں رکھتے۔ پس یہ قانون مقرر کر کے شریعت نے ان سو کی خاص خاص مصالح کے مقابلہ میں نو ہزار نو سو کی مصالح کو ترجیح دی ہے اور ان کی حفاظت کی ہے کیونکہ بیع معدوم میں ان بقیہ کا نقصان محتمل ہے[۱]۔ اگر کوئی کہے کہ ان بقیہ کی اگرچہ وہ عدد میں زیادہ ہوں رعایت ضروری نہ تھی کیونکہ یہ سب اپنے اختیار سے خریدتے ہیں تو نقصان خود گوارا کرتے ہیں پھر ان کی رعایت کی کیا ضرورت؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے کہ جس کو اپنے پیٹ اور اپنی ہوس کا جہنم بھرنے کے سوائے اور کوئی امر ہی پیش نظر نہ ہو اور دنیا میں کسی سے بھی اس کو محبت نہ ہو۔

دیکھو! اگر کوئی بچہ آگ میں گرنے لگے اور مشفق باپ دوڑ کر اس کو پکڑ لے اور باپ کی یہ حرکت دیکھ کر کوئی شخص کہے کہ آپ نے ناحق تکلیف اٹھائی آپ کو دوڑنے کی کیا ضرورت تھی، وہ اپنے اختیار سے گرتا تھا سو گرنے دیا ہوتا، تو عقلاء اس شخص کی بابت کیا فتویٰ دیں گے ظاہر ہے کہ اس کو نہایت درجہ سنگ دل اور بے رحم کہا جائے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور خداوند عالم جو شفیق باپ سے بھی درجہا زیادہ شفیق ہیں کیوں کر یہ گوارا

فرماتے ہیں کہ ہم کو ضرر برداشت کرنے کی اجازت دے دیتے؟

(۱) باقی لوگوں کے نقصان کا احتمال ہے۔

غرض یہ شبہ علی وجہ الاحسن زائل ہوگیا اور یہ بات ثابت رہی کہ دین میں نہایت سہولت اور آسانی ہے البتہ عقل کی تجاویز بعض سخت ہیں۔ مثلاً ایک یہی بات ہے جس کا اوپر ذکر تھا کہ مرض صعب [۱] کے لیے عقل علاج بھی صعب تجویز کرتی ہے اور شریعت مرض صعب کے لیے علاج سہل تجویز کرتی ہے۔ پس کتنا بڑا فرق ہے اسلام کی تعلیم اور عقل کے فتوے میں کہ عقل تو مرض صعب کے لیے تدابیر بھی صعب [۲] تجویز کرتی ہے اور اسلام سخت سے سخت مرض کے لیے بھی نہایت سہل [۳] نسخہ تجویز کرتا ہے۔

مسلمانوں کے امراض

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں میں کیا مرض ہے جس کے لیے اس آیت میں علاج تجویز کیا گیا ہے اور مسلمانوں کی تخصیص اس وجہ سے نہیں کہ دوسروں میں امراض نہیں ہیں دوسروں میں وہ امراض ہیں بحمد اللہ مسلمان ان سے بچے ہوئے ہیں بلکہ تخصیص اس واسطے کی گئی ہے کہ دوسروں سے ہمیں کیا غرض اور مرض دریافت کرنے کے بعد ان کا سبب دریافت کیجئے تو مرض کی نسبت تو یہ کہا جاتا ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم [۴]

ہماری قوم کی یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی عضو بھی صحیح نہیں کیونکہ ہماری دو حالتیں ہیں ایک دنیا دوسرے دین اور پھر ہر ایک کے اجزاء ہیں اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ دین کے ساتھ دنیا کی بھی ایک بڑی فہرست بتلائی جاتی بالخصوص اس وقت کہ ریفارمروں کی رائے یہ ہے کہ اگر دنیا کی اصلاح نہ کی جائے گی تو دین کی کیا اصلاح ہوسکتی ہے۔ افسوس! ان مصلحین نے جتنی اصلاح کی کوشش کی اسی قدر مرض بڑھتا گیا۔ وہ حالت ہوگئی کہ

ہر چہ کردند از علاج و از دوا رنج افزوں گشت و حاجت نارِوا [۵]

(۱) سخت مرض (۲) سخت تدابیر (۳) آسان (۴) ”ہمارا سارا بدن زخمی ہے کپاس کا پھویہ کہاں کہاں

رکھیں'' (۵) ''انہوں نے جو کچھ علاج اور دوا کی تکلیف زیادہ بڑھتی رہی اور ضرورت پوری نہ ہوئی''۔

تشخیص مرض

یہ ایک کنیز کا قصہ ہے۔ مولانا نے مثنوی میں اس کو نقل کیا ہے یعنی طبیبان (۱) ظاہری جوں جوں علاج کرتے گئے مرض میں افزونی ہوتی گئی آخر جب طبیب روحانی آئے اور انہوں نے حالت دیکھی تو یہ کہا۔

گفت ہر دارد کہ ایشاں کردہ اند آں عمارت نیست ویراں کردہ اند
بے خبر بودند از حال دروں استعیذ اللہ مما یفترون (۲)

انہوں نے ہر قسم کا علاج کیا مگر علاج مرض کے خلاف ہونے سے مزاج میں بجائے درستی کے نادرستی بڑھ گئی۔ یعنی جس قدر دوائیں کی ہیں سب نے تباہ کیا ہے اور حقیقت حال سے ان کو کچھ خبر بھی نہیں ملی اور یہ ہوا کہ

دید از زاریش کو زار دلست تن خوش است اما گرفتار دلست
عاشقی پیداست از زاری دل نیست بیماری چوں بیماری دل (۳)

کہ مرض دل کا تھا اور علاج بدن کا ہو رہا تھا جس میں مرض کا بڑھنا لازمی تھا۔ یہی حالت اس وقت کے لیڈروں کی ہے کہ انہوں نے سب سے بڑا مرض روپیہ کے نہ ہونے کو سمجھا کہ روپیہ ہوتا تو یہ ہوتا اور وہ ہوجاتا۔ صاحبو! جہاں روپیہ بہت سا ہے وہاں کیا نور برس رہا ہے ذرا امراء کی حالت کو ملاحظہ کرلیجئے اگر روپیہ کا نہ ہونا دین کے ضعف کا سبب ہے تو امراء میں دین زیادہ ہونا چاہئے تھا اس لیے کہ ان کے پاس روپیہ زیادہ ہے۔

آج کل تو مشاہدہ کی بڑی پرستش ہوتی ہے سو آپ مشاہدہ کرلیجئے کہ روپیہ والوں میں دین زیادہ ہے یا غریبوں میں اور صورت اس کی یہ ہے کہ کیف ما اتفق (۴)

---

(۱) طبیبوں کی مانند (۲) '' اس کے لئے جو بھی دواء انہوں نے تجویز کی اس نے اس کو مزید کمزور و بیمار کیا۔ یہ اطباء جاہل اس مریضہ کی اندرونی کیفیت سے ناواقف ہیں اس کے بارے میں جو باتیں یہ کہتے ہیں میں ان

سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں''(۳)''اس کی گریہ وزاری سے اس نے معلوم کرلیا کہ وہ بیماری دل میں مبتلا ہے بدن اچھا خاصہ ہے مگر دل کہیں پھنسا ہے دل کے نڈھال ہونے سے عاشق ہونا معلوم ہوجاتا ہے۔ بیماری دل (عشق) کے برابر کوئی بیماری نہیں''(۴) بلا انتخاب۔

چند غریبوں اور امیروں کو لے لیجئے اور دیکھ لیجئے کہ زیادہ دین دار کون ہے خود خدا تعالیٰ اس کے متعلق فرما رہے ہیں کہ۔ كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ (۱) بس ہم کو تو یہ کہنے کا حق ہے کہ دنیا کی ترقی دین کی ترقی کو مانع ہے جیسا کہ مشاہدہ و مضمون آیت دونوں اس کی شہادت دے رہے ہیں لیکن ہم اپنے بھائیوں کی خاطر سے یہ کہتے ہیں کہ روپیہ فی نفسہ نہ مضر ہے نہ مفید ہے(۲) اگر ہمارے بھائیوں کے پاس اس قسم کی کوئی دلیل ہوتی تو وہ ہرگز بھی رعایت نہ کرتے تو ہم اپنے اس دعویٰ سے کہ روپیہ مانع ترقی دین ہے دست بردار ہوتے ہیں لیکن کوئی یہ بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ روپیہ نافع ہے دین میں۔ پس معلوم ہوا کہ نافع فی الدین واقع میں کوئی دوسری چیز ہے۔

قلب سلیم کی خاصیت

اور وہ قلب سلیم ہے یعنی اگر قلب سلیم ہے تو روپیہ کا ہونا نہ ہونا دونوں مضر نہیں اور اگر قلب سلیم نہیں ہے تو روپیہ کا نہ ہونا تو کم مضر ہوتا ہے اور روپیہ کا ہونا زیادہ مضر ہوجاتا ہے۔

روپیہ اور قلب سلیم کی مثال بالکل تلوار اور ہاتھ کی سی ہے کہ تلوار کاٹتی ہے لیکن اسی وقت جب کہ ہاتھ بھی ہو اور اس میں قوت بھی ہو اور اگر ہاتھ نہیں یا ہاتھ تو ہے لیکن اس میں قوت نہیں تو نری تلوار کیا کام دے سکتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات اپنے ہی زخم لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر قلب سلیم نہ ہو تو نرا روپیہ کیا کام دے سکتا ہے۔ اصل چیز قلب سلیم ہے۔ اگر ایسے شخص کے پاس مال ہے تو وہ بے شک حدیث نعم المال الصالح عندالرجل الصالح (۳) کا مصداق ہے مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

مال اگر بہر دین باشی حمول   نعم مال صالح گفت آں رسول

اگر دین کی ترقی ہی کے لیے مال کام میں آتا ہو تو ایسے مال کے متعلق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسا پاکیزہ مال اچھا ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں

(۱) ''ہرگز نہیں بے شک انسان اپنے آپ کو غنی اور دولت مند دیکھتا ہے تو وہ سرکشی کرنے لگتا ہے'' سورۃ العلق: ۶۔۷ (۲) نہ نقصان دہ نہ فائدہ مند (۳) ''بہترین مال وہ ہے جو نیک آدمی کے ہاتھ میں ہو''۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

یعنی اگر کشتی کے اندر پانی بھر جائے تو اس کے ہلاک کا سبب ہوتا ہے اور اگر کشتی کے نیچے رہے تو اس کے لیے معین (۱) ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مال قلب کے اندر گھس گیا تو وہ قلب کے لیے مہلک ہے اور اگر قلب سے باہر رہے تو وہ معین ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب صاحب قلب سلیم کے پاس روپیہ ہو۔ غرض روپیہ کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہی ہوئے۔ لہٰذا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ترقی دین، دنیا کی ترقی پر موقوف ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

زر و نقرہ چیست تا مفتوں شوی — چیست صورت تا چنیں مجنوں شوی (۲)

کہ یہ صورت ہی کیا چیز ہے جس پر اس قدر مفتون ہوتے ہیں۔

صاحبو! اپنے بزرگوں ہی کو دیکھ لیجئے کہ ان کے پاس اس قدر روپیہ کہاں تھا اور پھر دینداری میں ان کی حالت کیا تھی غرض ایک ضرورت کی چیز تو دنیا تھی تو اس کے تو جاننے والے مجھ سے زیادہ ہیں دوسرے دنیا کے متعلق کچھ بتلانا ان کے وہمیات میں ان کی مدد کرنا ہے، تیسرے ہم لوگ طالب علم ہیں ہمارا یہ کام بھی نہیں ہے اس کو آپ خود ہی کریں البتہ مولویوں سے پوچھ کر اور حلال وحرام کو دریافت کر کے کریں آج کل بہت سی صورتیں آپ نے ایسی اختراع کر لی ہیں کہ وہ بالکل ناجائز ہیں مثلاً شادی فنڈ، موت فنڈ، کہ سب قمار میں داخل ہیں۔

دریافت احکام شرعیہ

افسوس ہے کہ لوگ ترقی کی صورت تجویز کر کے ان پر خود ہی عمل کر لیتے ہیں یہ احتمال ہی نہیں ہوتا کہ ممکن ہے یہ جائز نہ ہو۔ صاحبو! جو چاہو وہ کرو لیکن خدا کے لیے مولویوں سے حلت وحرمت کو دریافت کر لیا کرو، اور یہ کوئی عار کی بات نہیں۔ دیکھو تم

بہت سی ضرورتوں میں مختلف جماعتوں سے پوچھتے اور مدد لیتے ہو، مثلاً اگر تجارت کرنا

(۱) مددگار (۲) ’’سونا اور چاندی کیا چیز ہے کہ جس سے تم اتنے متاثر ہوتے ہو یہ صورت ہی کیا چیز ہے کہ تم اس پر اس قدر دیوانے ہوتے ہو۔

چاہو تو قانون دان لوگوں سے پوچھتے ہو اس کی اجازت کے پہلو دریافت کرتے ہو۔ علی ہذا تو اگر شریعت کے احکام پوچھنا بکھیڑا، اور دردسر ہے تو گورنمنٹ کے قانون پوچھنا کیوں دردسر نہیں۔ جو آزادی قانون شریعت پر عمل کرنے میں فوت ہوتی ہے وہ تو گورنمنٹ کے قانون پر عمل کرنے میں بھی فوت ہوتی ہے، تو سب سے بڑی آزادی تو اس میں ہے کہ کسی قانون پر عمل نہ کیا جائے اور ڈکیتی ڈالنی شروع کردی جائے پھر کیا کوئی عاقل اس کو آزادی کہے گا اور اگر چند احمق مل کر ڈکیتی ڈالنی تجویز کریں اور کوئی عقلمند آدمی ان سے کہے کہ یہ قانون میں ناجائز ہے تو کیا ان کو محض اس بنا پر کہ یہ قانون آزادی کے خلاف ہے اس قانون پر عمل کرنا ضروری نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ جس گورنمنٹ کے ملک میں رہو اس کے قانون پر عمل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ پس بموجب اس قاعدہ کے یا تو خدا تعالیٰ کے ملک سے نکل جاؤ اور کوئی دوسرا ملک تلاش کرلو اور خدا کے ملک میں رہو تو حیرت کی بات ہے کہ ساری گورنمنٹوں کے قانون پر تو عمل کرو مگر خدا کے قانون پر عمل نہ کرو۔

غرض دنیا کے کام آپ لوگ خود ہی کریں اور علماء سے پوچھ کر کریں۔ باقی علماء سے اس کی امید نہ رکھیں کہ وہ دنیا کے کاموں میں آپ کی اعانت کریں اور ان کی تدابیر آپ کو بتلائیں۔ دنیا کا کام آپ کا کام ہے علماء کا نہیں۔ علماء سے اس کی امید رکھنا ایسا ہے جیسے کوئی چمار حکیم عبدالمجید سے جوتے گنٹھوانے [۱] کے کام میں مدد چاہنے لگے۔

مثلاً اگر حکیم عبدالمجید کے پاس کوئی دق کا مریض جائے اور وہ نسخہ لکھ دیں۔ نسخہ لے کر مطب سے باہر آئے تو ایک چمار ملے اور مریض سے پوچھے کہ تم کہاں گئے تھے اور وہ بتلائے۔ اس پر وہ چمار کہنے لگے کہ حکیم عبدالمجید بھی عجیب بے خبر آدمی ہیں کہ ان سے اتنا نہ ہوا کہ اس نسخے میں جوتی گنٹھوانے کی بھی لکھ دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم کی حالت سے بالکل بے خبر ہیں۔ تو ساری دنیا اس چمار کو احمق بتائے گی اور کہے گی

کہ حکیم عبدالمجید کا یہ کام نہیں کہ وہ جوتی گانٹھنے کی ترکیب بتلائیں یا اس کام کے چلنے میں مدد دیا کریں۔ حکیم عبدالمجید کا کام امراض کے لیے ادویہ تجویز کرنے کا ہے۔

(۱) جوڑنے

تو علماء کو بھی حکیم عبدالمجید ہی سمجھنا چاہئے کہ ان کا کام امراض باطن کے لیے نسخے تجویز کرنے کا ہے نہ کہ دنیا کے کاموں میں تجاویز بتلانے کا۔ اگر حکیم صاحب پر جوتی سلوانے کا نہ بتلانے کا الزام صحیح ہے تو علماء پر بھی صحیح ہے۔ البتہ حکیم صاحب کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اگر جوتی سینے سے پہننے والے کے پیر میں زخم نہ پڑے اور پیر کے سڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو جوتی سینے سے منع نہ کریں ورنہ منع کرنا ضرور ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے پہلے پہلے اس طرح جوتا سلوایا کہ سوا پیر کی کھال کے اندر سے ہوکر نکلا تو حکیم صاحب کو اطلاع ہونے پر منع کرنا ضرور ہے۔ اسی طرح علماء کے ذمہ بھی یہ ہے کہ اگر دنیا کے کام کرنے سے لوگوں کے قلب میں بددینی کا زخم نہ پڑے تو ان کاموں سے نہ روکیں اور اگر قلب زخمی ہونے لگے تو پھر ان کو روکنا ضرور ہے اور اگر زخم کے ڈر سے روکنے میں حکیم صاحب بڑے شفیق ہیں تو زخم قلب سے بچانے کے لیے روکنے میں علماء بھی بڑے شفیق ہیں اور اگر ان دونوں میں کوئی فرق ہے تو میں دس برس کی مہلت دیتا ہوں۔

الحاصل جب کسی حکیم پر یہ ضروری نہیں کہ وہ جوتی سینے کی ترکیب بتلایا کرے یا اس میں مدد کرے تو علماء کو بھی جو کہ طبیب روحانی ہیں کامل حق ہے کہ وہ اس باب میں یہ کہہ دیں کہ۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ آفتاب گویم (۱)

دنیا کی مثال بالکل خواب کی ہے اس کو وہ بتلائے جو شب پرست ہو ہم آفتاب دین کے غلام ہیں ہم سے اس کی بابت پوچھئے۔ ہم اس کے سوا کچھ نہ بتلائیں گے اور نہایت فخر سے یہ کہیں گے۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم (۲)

(۱)''نہ میں رات ہوں نہ رات کا پوجنے والا ہوں کہ خواب کی باتیں کروں میں چونکہ سورج کا غلام ہوں اس لیے بیداری کی باتیں کروں گا''(۲)''ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ سب بھلا دیا سوائے محبوب کی باتوں کے جس کا ہم تکرار کیا کرتے ہیں''

ہاں یہ علماء کا احسان ہوگا کہ وہ منع نہ کریں۔ یہ تو آپ کے شبہات اور اعتراضات کے جواب کی بناء پر گفتگو تھی اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ دقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء دنیا بھی سکھلاتے ہیں۔

دین و دنیا کا تعلق

وجہ یہ ہے کہ تاریخ اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی دنیا دین کے ساتھ درست ہوتی ہے۔ یعنی جب ان کے دین میں ترقی ہوتی ہے تو دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے اور جب دین میں کوتاہی ہوتی ہے تو دنیا بھی خراب ہوجاتی ہے۔ تو جب ہم دین سکھلاتے ہیں معاملات معاشرت اخلاق کو درست کرتے ہیں تو گویا ہم دنیا کی ترقی کی تدابیر بھی بتلاتے ہیں البتہ ہماری تدابیر اور دوسروں کی تدابیر میں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ کہ دوسروں کی تدابیر میں پریشانی زیادہ ہوتی ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد(۱)

واللہ العظیم! جو لوگ بظاہر نہایت آسائش میں معلوم ہوتے ہیں ان کی اندرونی حالت اگر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ساری پریشانیوں کا نشانہ یہی ہیں۔

دنیا میں کوئی مکمل آرام میں نہیں

ان لوگوں کی حالت پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا میرے استاد علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے یہ دعا کی مجھے خواجہ خضر مل جائیں۔ چنانچہ خواجہ خضر اس کو مل گئے اس نے کہا کہ حضرت یہ دعا کر دیجئے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس قدر دنیا دے دیں کہ میں بالکل بے فکر ہوجاؤں خواجہ خضر نے کہا کہ بے فکری اور راحت دنیا دار میں نہیں ہوسکتی اس نے پھر اصرار کیا انہوں نے فرمایا کہ اچھا تو کسی ایسے شخص کو انتخاب کر جو تیرے

نزدیک بالکل بے فکر اور نہایت آرام میں ہو میں یہ دعا کروں گا کہ تو بھی اسی جیسا ہوجائے اور تین دن کی اس کو مہلت دی آخر اس نے لوگوں کی حالت کو دیکھنا شروع کیا۔

(۱)''جب مرتے ہیں جب مصروف ہوتے ہیں جب اٹھتے ہیں مصروف ہوتے ہیں''

جس کو دیکھا کسی نہ کسی تکلیف یا شکایت و پریشانی میں مبتلا پایا بہت سی تلاش کے بعد اس کو ایک جوہری نظر پڑا جس کے پاس حشم وخدم بھی بہت کچھ تھے، صاحب اولاد بھی تھا اور اس کو بظاہر کوئی فکر نہ معلوم ہوتی تھی اس کو خیال ہوا کہ اس جیسا ہونے کی دعا کراؤں گا لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ بھی کسی بلا میں مبتلا ہو اور میں بھی دعا کی وجہ سے اسی میں مبتلا ہوجاؤں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اول اس سے اس کی اندرونی حالت دریافت کرلوں۔ چنانچہ اس جوہری کے پاس گیا اور اپنا پورا ماجرا اس کو کہہ سنایا۔

جوہری نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ خدا کے لیے مجھ جیسا ہونے کی دعا ہرگز نہ کرنا میں تو ایک مصیبت میں گرفتار ہوں کہ خدا نہ کرے کوئی اس میں گرفتار ہو واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میری بیوی بیمار ہوئی اور بالکل مرنے کے قریب ہوگئی میں اس کو مرتے دیکھ کر رونے لگا اس نے کہا کہ تم کیوں روتے ہو میں مرجاؤں گی تم دوسری کرلوگے۔ میں نے کہا نہیں میں اب ہرگز نکاح نہ کروں گا۔ کہنے لگی کہ سب کہا ہی کرتے ہیں ایفاء کوئی بھی نہیں کرتا۔ میں چونکہ اس کی محبت میں مغلوب تھا اور اس وقت اس کے مرنے کا نہایت سخت رنج دل پر تھا میں نے اس کے کہنے پر استرا لے کر اپنا اندام نہانی(۱) فوراً کاٹ ڈالا اور اس سے کہا کہ اب تو تجھ کو بالکل اطمینان ہوگیا۔ اتفاق سے وہ اپنے مرض سے جانبر ہوگئی اب چونکہ میں بالکل بے کار ہوچکا تھا اس لیے اس نے میرے نوکروں سے ساز باز کرلیا یہ جس قدر اولاد تم دیکھتے ہو سب میرے نوکروں کی عنایت ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے اس حرکت کو دیکھتا ہوں لیکن اپنی بدنامی کے خیال سے کچھ نہیں کہہ سکتا اس واسطے تم مجھ جیسے ہونے کی دعا ہرگز نہ کرانا۔

آخر اس شخص کو یقین ہوگیا کہ دنیا میں کوئی آرام سے نہیں جب تیسرے دن حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو انہوں کہا کہ کہو کیا رائے ہے؟ اس نے کہا حضرت یہ دعا

کر دیجئے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی محبت کاملہ اور دین کامل عطا فرمائے چنانچہ آپ نے دعا فرمادی اور وہ نہایت کامل دیندار ہو گیا۔ تو حقیقت میں دنیا داروں میں کوئی بھی آرام سے

(۱) آلہ تناسل۔

نہیں ہے اندرونی حالت سب کی پریشان ہے اس واسطے کہ دنیا کی حالت یہ ہے کہ لا ینتھی ارب الا الی ارب ایک آرزو ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع ہو جاتی ہے اور تفویض ورضا بالقضا ہے نہیں۔ ہر کام میں یوں چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے اور سب امیدوں کا پورا ہونا دشوار، اس لیے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی گو ظاہر میں اموال واولاد سب کچھ ہے مگر اس حالت میں وہ خود آلہ تعذیب ہیں اسی کو فرماتے ہیں: فَلَا تُعۡجِبۡكَ أَمۡوَٰلُهُمۡ وَلَآ أَوۡلَٰدُهُمۡ [1] بظاہر اگرچہ ان کے پاس مال ودولت بہت کچھ ہے لیکن وہ ان کے لیے عذاب ہے۔

دنیا دار اور دیندار کے حال میں فرق

میں نے کانپور میں ایک رئیسہ کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنی اولاد سے اس قدر محبت تھی کہ اولاد کی بدولت کبھی چار پائی پر سونا نصیب نہیں ہوا کیونکہ بچے کئی تھے ایک چار پائی پر کیسے سمائیں اور سب اپنے پاس لے کر سوتی تھیں۔ کسی پر ایک ہاتھ رکھ لیا کسی پر دوسرا ہاتھ رکھ لیا کسی پر پیر رکھ لیا پھر غضب یہ کہ رات کو اٹھ کر ٹٹولتی تھیں کہ سب ہیں بھی یا نہیں۔ تمام رات ان کو اس مصیبت میں گزرتی تھی اتفاق سے ان کا ایک بچہ مر گیا تو اس قدر پریشان ہوئیں کہ اس کے کفن دفن میں بھی شریک نہیں ہوئیں اور کانپور چھوڑ کر لکھنو یا اور کہیں چل دیں۔

علیٰ ہذا مال بھی اکثر لوگوں کو عذاب جان ہو جاتا ہے اور راز اس کا بھی یہی ہے کہ واقعات تو اختیار میں ہوتے نہیں اور ہوس زیادہ ہوتی ہے اس واسطے ہمیشہ مصیبت میں گزرتی ہے برخلاف اس شخص کے کہ جس کے پاس دین ہو کیونکہ اس کو خدا تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور محبت میں یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود(۲)

حضرت غوث اعظمؒ کا واقعہ ہے کہ ان کو کسی نے ایک آئینہ چینی نہایت بیش قیمت لاکر دیا آپ نے خادم کے سپرد کردیا کہ جب ہم مانگا کریں تو ہم کو دے دیا کرو۔ ایک روز اتفاق سے خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ خادم ڈرا اور حاضر ہوکر عرض کیا کہ

از قضا آئینہ چینی شکست(۱)

آپ نے بے ساختہ نہایت خوش ہوکر فرمایا

خوب شد اسباب خود بینی شکست(۲)

اور مال تو کیا چیز ہے اولاد کے مرجانے پر بھی یہ حضرات پریشان نہیں ہوتے یہ دوسری بات ہے کہ طبعی رنج ہو سو یہ کوئی مذموم (۳) نہیں انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوا ہے۔ غرض دین کے ساتھ اگر دنیا ہوگی تو وہ دنیا بھی مزیدار ہوگی بلکہ اگر نرا دین ہو تب بھی ان کی زندگی نہایت مزیدار ہے اس لیے کہ وعدہ ہے مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً (۴) ان حضرات کو ہیچ ندارد میں بھی لطف آتا ہے۔

شاہ ابوالمعالی کا حال

حضرت شاہ ابوالمعالی کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ گھر پر موجود نہ تھے کہ آپ کے مرشد تشریف لائے اتفاق سے اس روز گھر میں فاقہ تھا۔ اہل خانہ نے دیکھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں آپ کے لیے کوئی انتظام ہونا چاہئے آخر خادمہ کو محلے میں بھیجا کہ اگر قرضہ مل جائے تو کچھ لے آئے خادمہ دو تین جگہ جاکر واپس چلی آئی اور کچھ نہ ملا۔ متعدد مرتبہ کی آمدورفت سے حضرت کو شبہ ہوا اور آپ نے حالت دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ آج فاقہ ہے آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے ایک روپیہ نکال کر دیا کہ اس کا اناج لاؤ چنانچہ اناج آیا آپ نے ایک تعویذ لکھ کر اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اس اناج کو مع تعویذ کے کسی برتن میں رکھ دو اور اسی میں سے نکال کر خرچ کرتے رہو۔ چنانچہ ایسا

---

(۱)''ان کے مال و اولاد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حیرت میں نہ ڈالے'' سورۃ التوبۃ: ۵۵ (۲)''وہ بادشاہ جو کچھ بھی کرتا ہے میٹھا ہی ہوتا ہے''

ہی کیا گیا اور اس اناج میں خوب برکت ہوئی چند روز کے بعد جو شاہ ابوالمعالی صاحب آئے تو کئی وقت تک کھانے کو برابر ملا۔ آپ نے ایک روز تعجب سے پوچھا کہ کئی روز

(۱) قضا سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا (۲) ''اچھا ہوا خود بینی کے اسباب ختم ہوئے'' (۳) برا (۴) ''جس کسی نے اچھا عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو پس ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے''

سے فاقہ نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایک طرح سے حضرت ایک تعویذ دے گئے تھے۔ اب اس موقع پر ملاحظہ فرمایئے حضرت شاہ ابوالمعالی کے ادب کا اور آپ کا خداداد سمجھ کا کہ ادب توکل کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ادب پیر کو بھی ملحوظ رکھا۔ فرمانے لگے کہ اس اناج کو ہمارے پاس لاؤ۔ چنانچہ لایا گیا آپ نے اس میں سے تعویذ کو نکال کر تو اپنے سر پر باندھا اور فرمایا کہ حضرت کا تعویذ تو میرے سر پر رہنا چاہئے اور اناج کی بابت حکم دیا کہ سب فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ سب تقسیم کر دیا گیا اور اسی وقت سے پھر فاقہ شروع ہو گیا۔ ان حضرات کا فاقہ اختیاری فاقہ تھا کیونکہ اس کو سنت سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ پر تین تین دن فاقہ کے گزر جاتے تھے اور جب بیوی بہت پریشان ہو کر عرض کرتیں کہ حضرت! اب تو تاب نہیں رہی فرماتے کہ تھوڑا صبر اور کرو جنت میں ہمارے لیے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہو رہے ہیں لیکن بیوی بھی ایسی نیک ملی تھی کہ وہ نہایت خوشی سے اس پر صبر کرتیں۔

عاشق کا حال

صاحبو! ان حالات پر آپ کو تعجب نہ کرنا چاہئے اور اگر تعجب ہے تو یہ ایسا ہی تعجب ہے جیسے کوئی عنین تعجب کرنے لگے کہ صحبت میں بھی لطف ہوتا ہے کیونکہ اگر ذرا سا بھی ادراک ہوتا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا کیا عالم ہوتا ہے۔ محبت میں تو مطلقاً یہ عالم ہوتا ہے کہ۔

چو درچشم شاہد نیاید زرت　　زر و خاک یکساں نماید برت (۱)

دیکھو اگر محبوب کو ایک ہزار روپیہ دو اور وہ لات مار دے تو تمہارے دل میں بھی اس روپیہ کی قدر نہیں رہتی اور محبت مجازی میں جب یہ حالت ہے تو حقیقی کا کیا پوچھنا

اسی کو فرماتے ہیں:

(۱) ''اگر تیرے روپے کی محبوب کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے تو تیرے نزدیک روپیہ اور مٹی برباد ہوجائیں گے''۔

ترا عشق ہمچو خودے ز آب و گل　　ربابد ہمہ صبر و آرام دل
عجب داری از سالکان طریق　　کہ باشند در بحر معنی غریق(۱)

ایک معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ اے جوان تو نے سفر میں بہت سے شہر دیکھے۔

دیکھئے اگر کوئی محبوب اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دے دے اور اس درمیان کھانے کا وقت آجائے اور محبوب کہے کہ اگر بھوک لگی ہو تو جا کر کھانا کھالو۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ عاشق اس وقت اٹھنے اور کھانے کو گوارہ کرے گا۔ ہرگز نہیں تو جب محبت کی یہ حالت ہوتی ہے تو شیخ کے فاقہ پر کیا تعجب ہے۔ وہ حضرت حق محبوب حقیقی سے معیت رکھتے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں:

گفت معشوقے بعاشق کاے فتا　　تو بہ غربت دیدہ بس شہرہا
پس کدامی شہر زانہا خوشترست　　گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست(۲)

آگے فرماتے ہیں:

ہر کجا دلبر بود خرم نشین　　فوق گردون ست نے قعر زمین
ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ　　جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ(۳)

تو اگر محبوب کنویں کے اندر ہو وہ بھی جنت ہے۔ تو جب محبوب مجازی کی معیت کی یہ حالت ہوتی ہے تو محبوب حقیقی کی معیت اگر میسر ہوجائے تو کیا حالت ہوگی۔

غرض دنیا دار آپ کو بے مزہ دنیا سکھلاتے ہیں اور ہم مزے دار دنیا سکھلاتے ہیں اور وہ وہی دنیا ہے جو کہ دین کے ساتھ ہو کہ وہ نہایت لطیف اور مزے

(۱) ''تیرا عشق اپنے جیسے مٹی پانی والے سے دل سے صبر اور آرام لے جاتا ہے تو تعجب کرتا ہے سالکین کے

طریق سے جو کہ معنی کے دریا میں غرق ہوں''(۲)''ایک معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ اے جوان تو نے سفر میں بہت سے شہر دیکھے تو کون سا ان میں سے تیرے نزدیک اچھا ہے اس نے جواب دیا بس وہی شہر جس میں محبوب ہوتا ہے''(۳)''جس جگہ محبوب خوشی سے رہتا ہو وہ تو آسمانوں سے بھی اونچا ہے جس جگہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسے چہرہ والا موجود ہو وہی جنت ہے اگر چہ وہ کنویں کی گہرائی ہی میں کیوں نہ ہو''

دار ہوتی ہے اور اگر یہ سمجھ نہیں آتا تو ضابطہ کا جواب وہی ہے کہ دنیا کا بتلانا ہی میرے ذمہ نہیں ہے۔

اجزائے دین

یہ تو دنیا کے متعلق تھا اب رہ گیا دین۔ سو اس کی یہ حالت ہے کہ اس کے پانچ جز ہیں۔(۱) عقائد (۲) دیانات (۳) معاملات (۴) معاشرت (۵) اخلاق۔

ان میں سے ہر جز کے اعتبار سے ہماری حالت ناگفتہ بہ ہے۔ عقائد میں توحید و رسالت کے متعلق جو گڑ بڑ کر رکھی ہے سبھی جانتے ہیں کہیں تخمینی فلسفہ کی وجہ سے اس پر اعتراض کئے جاتے ہیں کہیں باطل تصوف کی وجہ سے شکوک گزرتے ہیں اولیاء اللہ کو انبیاء کے درجے سے متجاوز کر دیا ہے انبیاء کو خدا کے درجہ سے متجاوز بنا دیا ہے اور وہ حالت ہے کہ جس شخص کو شریعت سے جتنا بعد ہے اس کو خدا تعالیٰ سے اسی قدر زیادہ مقرب کہا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فساق اولیاء اللہ میں شمار ہونے لگے ہیں۔

دوسرا جز دیانات ہیں۔ ان کے متعلق معلوم ہے کہ روزہ کتنے لوگ رکھتے ہیں زکوٰۃ کتنے ادا کرتے ہیں۔ حج کتنوں نے ادا کیا۔

تیسرا جز معاملات کا ہے ان کو لوگوں نے شریعت سے بالکل ہی خارج سمجھ رکھا ہے ان کے یہاں نہ بیع المعدوم حرام ہے[1] نہ معاملات سود حرام ہیں۔ ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ جس طرح ہو سکے بہت سا روپیہ سمیٹ لیا جائے کھانے میں گھی خوب زیادہ ہو۔ کسی کی زمین دبی ہے تو کچھ پروا نہیں ڈگریاں سود سمیت کرائی جاتی ہیں تو کچھ غم نہیں۔

چوتھا جز معاشرت ہے اس کی جو گت ہے سبھی واقف ہیں۔ شادی غمی میں جس طرح جی چاہتا ہے کرتے ہیں نہ ان کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ فتویٰ لینے کی حاجت

جو کچھ بیوی صاحبہ نے کہہ دیا وہ کرلیا گویا وہی شریعت کی مفتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائیگی جن کی سردار عورت ہوگی۔ علیٰ ہذا۔

(۱) جو چیز موجود نہیں اس کو بیچنا۔

قومی شعار

وضع کو دیکھئے تو اس کی یہ حالت ہے کہ صورت سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر داڑھی بالکل صاف سر پر وحشیوں کے سے بال بڑھے ہوئے۔ صاحبو! آج قوم قوم پکارا جاتا ہے لفظ قوم کی بڑی پرستش (۱) کی جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ آپ کو امتیاز قومی کی بھی پروانہیں اگر آپ پر داڑھی کا رکھنا فرض بھی نہ ہو تب بھی قومی شعار ہی سمجھ کر اس کو رکھنا چاہئے تھا آخر قومی شعار بھی تو کوئی چیز ہے! کتنا افسوس ہے کہ مسلمان ہندوؤں کا شعار اختیار کریں اور ہندو مسلمان کا۔

میرے بھائی کے پاس دو شخص عہدہ دار آئے ایک ان میں سے ہندو بہ شکل مسلمان تھا۔ ایک مسلمان بہ شکل ہندو تھے۔ مسلمان صاحب کے لیے گھر سے پان آیا خادم چونکہ دونوں سے ناواقف تھا اس لیے اس نے ہندو کے سامنے پان پیش کیا اس پر وہ دونوں ہنسے۔ اس سے وہ خدمت گار سمجھا کہ مسلمان یہ ہیں جن کی ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے۔

صاحبو! اگرچہ گناہ بہ حیثیت گناہ ہونے کے تو سب ہی برے ہیں لیکن تاہم بعض گناہ ایسے ہیں کہ گو وہم ہی کے درجے میں ہو لیکن انسان اس میں اپنی مجبوری اور عذر بیان کرسکتا ہے مثلاً رشوت کا لینا کہ اس کی جس قدر مجبوریاں بیان کی جاتی ہیں گو وہ سب وہمی ہیں لیکن تاہم ہیں تو بھلا، داڑھی منڈانے کی ناشائستہ حرکت میں کیا مجبوری ہے۔ اس پر کون سا کام اٹکا ہے اگر کوئی صاحب کہیں کہ اس سے حسن بڑھتا ہے تو میں کہوں گا کہ بالکل غلط ہے ایک عمر کے دو آدمیوں کو پیش کیا جائے جن میں ایک کی داڑھی منڈی ہو اور دوسرے کے چہرے پر داڑھی ہو اس کے بعد موازنہ کرکے دیکھ لیا جائے کہ کس چہرے پر حسن برستا ہے اور کس پر پھٹکار برستی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک جماعت فرشتوں کی ایسی ہے کہ وہ ہر وقت یہی تسبیح پڑھتے ہیں۔ سبحان من

زین الرجال باللحیٰ والنساءؑ بالذوائب (۲)

(۱) پوجا (۲) ''وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے مردوں کو داڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو چوٹی سے زینت بخشی''، کشف الخفاء للعجلونی: ۱/۵۳۸۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کے داڑھی کا ہونا زینت ہے اور اگر اس زینت کے رکھنے کی ضرورت نہیں تو عورتوں کا سر بھی منڈانا چاہئے غرض داڑھی منڈانے کی وجہ حسن وجمال تو نہیں ہوسکتی۔

جواب لاجواب

کلکتہ میں ایک ملحد نے مولانا شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا کہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی رکھنا خلاف فطرت ہے کیونکہ اگر فطرت کے موافق ہوتی تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت بھی ہوتی۔ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر خلاف فطرت ہونے کی یہی وجہ ہے تو دانت بھی خلاف فطرت ہیں ان کو بھی توڑ ڈالو کیونکہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت دانت بھی نہیں تھے۔

غرض داڑھی کا منڈانا نہایت لغو حرکت ہے اور میں نے اس وقت بالقصد داڑھی کا تذکرہ نہیں کیا لیکن میں چونکہ اپنے عیوب وامراض بتلا رہا ہوں۔ اسی ذیل میں اس کا تذکرہ بھی آ گیا۔ صاحبو! واللہ بعض دفعہ داڑھی کے تذکرہ سے شرم آتی ہے کہ شاید کسی کو ناگوار گزرے مگر منڈانے والوں کو اتنا حجاب بھی نہیں ہوتا اور اب تو غضب یہ ہے کہ بعض لوگ داڑھی منڈانا حلال بھی سمجھنے لگے ہیں اور جب اس کی بابت ان سے گفتگو کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ قرآن میں اس کی حرمت دکھلایئے۔

شرعی دلائل کی بنیاد

یہ سوال آج کل ایسا عام ہوا ہے کہ ہر شخص ہر بات کو قرآن سے مانگنے لگا ہے میں اس سوال کا ایک فیصلہ کن جواب دیتا ہوں یہ کوئی لطیفہ نہ ہوگا بلکہ قابل غور جواب ہوگا لیکن اول ایک شرعی اور ایک تمدنی قاعدہ بیان کرتا ہوں۔

تمدنی قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عدالت میں ایک ہزار روپے کا دعویٰ پیش کرے اور اس کی شہادت میں دو شاہد ایسے پیش کردے جن میں مدعا علیہ کوئی نقص یا عیب نہ نکال سکے تو مدعا علیہ پر ڈگری ہوجاتی ہے اور اس کے بعد مدعا علیہ کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ ان گواہوں کو تسلیم نہ کرے اور یہ کہے کہ میں تو دعویٰ کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتا جب تک کہ خود صاحب جج اور مجسٹریٹ ضلع آ کر گواہی نہ دیں اور اگر مدعا علیہ ایسا کرے تو عدالت اس کو کہے گی کہ دعویٰ کے اثبات کے لیے مطلق شاہد کی ضرورت ہے شاہد خاص کی ضرورت نہیں ہے پس یا تو ان گواہوں میں کلام کرو یا دعوے کو تسلیم کرو۔ یہ قاعدہ تمدنی بھی ہے اور شرعی بھی۔

اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے چار دلائل ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس، تو گویا یہ شاہد ہیں احکام کے پس جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ ''ھذا حکم شرعی'' تو مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ان چاروں دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے ثابت ہے۔ اور یہ دعویٰ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ کوئی ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ کرے۔ پس اس شخص کی طرح اس کو بھی اختیار ہے کہ جس دلیل سے چاہے ثابت کردے خواہ حدیث پڑھ دے خواہ امام ابوحنیفہ کا قول نقل کردے۔

ان دونوں قاعدوں کے معلوم کرنے کے بعد اب اس سوال کا جواب سنئے وہ یہ ہے کہ داڑھی کٹانے یا منڈانے کی حرمت حدیث شریف سے ثابت ہے اور حدیث بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے اگرچہ قرآن اس سے بڑا ہے تو قرآن سے دلیل کا طلب کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص خاص مجسٹریٹ کی گواہی پر ثبوت مدعا کا مدار رکھے البتہ یہ حق ہر شخص کو حاصل ہے کہ اگر ممکن ہو حدیث میں کلام کرے لیکن اگر حدیث میں کلام نہ کرسکے تو آگے گنجائش باقی نہیں رہتی۔

میں محبیوں کو بھی کہتا ہوں کہ آپ بھی اتنی خوش اخلاقی نہ کیا کیجئے کہ جس کسی نے جس قید کے ساتھ کوئی بات پوچھی آپ اسی طرح جواب دینے کی فکر میں پڑ گئے لوگ

کہتے ہیں کہ مولوی بداخلاق ہوتے ہیں حالانکہ مولوی اس قدر خوش اخلاق ہوتے ہیں کہ ان کی خوش اخلاقی کی بدولت آپ خراب ہوگئے۔ غرض قرآن شریف سے داڑھی منڈانے کی حرمت کو تلاش کرنا اور حدیث وغیرہ کو حجت نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے اسی طرح مجیب صاحبوں سے عرض ہے کہ آپ نے جو اس کی حرمت کو قرآن سے ثابت کر بھی دیا تو ہر ہر مسئلہ کو کہاں تک قرآن سے ثابت کیجئے گا۔ مثلاً مغرب کی تین رکعتیں، وتر کا وجوب اور اس کی تین رکعتیں قرآن کی کس آیت سے ثابت کرو گے۔

ہماری اخلاقی حالت

رہے اخلاق اور یہ پانچواں جز ہے سو اس کی بابت سبھی جانتے ہیں کہ اخلاق کی خرابی سے ہمارے علماء اور طلباء بھی بہت ہی کم بچتے ہیں۔ اکثر دیندار لوگوں کو اس کی تو فکر ہوتی ہے کہ داڑھی بھی ہو۔ ٹخنے سے اوپر پاجامہ بھی ہو۔ لباس سارا شریعت کے موافق ہو لیکن اخلاق کو دیکھئے تو اس قدر خراب کہ گویا کبھی شریعت کی ہوا بھی نہیں لگی جس سے وہ حالت ہوتی ہے کہ۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل　　　و اندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید　　　وز درونت ننگ میدارد یزید[1]

بہت لوگ ہماری پارسایانہ صورت کو دیکھ کر دھوکہ میں آجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے خاص مقبولین میں ہیں حالانکہ ہم میں یہ جز اخلاق کا جو کہ شعب دین سے ایک عظیم الشان شعبہ ہے ہم میں نشان تک نہیں ہوتا۔ ہماری ساری حرکتیں تکلف پر مبنی اور سارے افعال بناوٹ سے ناشی ہوتے ہیں۔ تو یہ امراض ہم میں ہیں جن کا علاج نہایت ضروری ہے اور جن کی وجہ سے ہماری حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے سو میں ان کا علاج بتلاتا ہوں۔

علاج کی قسمیں

علاج ہر مرض کا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک علاج کلی اور ایک علاج جزئی۔ علاج

(۱) ''باہر سے ایسا ہے جیسے کافر کی قبر سجی ہوئی ہوتی ہے اور اندر خدا کا غضب نازل ہورہا ہے باہر کی حالت تو نے ایسی بنا رکھی کہ حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ پر اعتراض کرنے لگے اور تیرے اندر کی حالت ایسی ہے کہ یزید جیسے شخص کو بھی شرم آنے لگے''۔

جزئی تو اس کو کہتے ہیں کہ ہر ہر شکایت اور ہر ہر مرض کا فرداً فرداً علاج کیا جائے اور علاج کلی اس کو کہتے ہیں کہ تمام امراض کی جڑ یعنی ایک امر مشترک کا ازالہ کردیا جائے کہ اس سے ہر شکایت خود بخود جاتی رہے۔ شریعت میں پہلی قسم کے علاج بھی ہیں اور دوسری قسم کے بھی لیکن پہلی قسم کے علاج کی آج کل لوگوں میں ہمت نہیں رہی البتہ پہلے لوگ اسی طرح کرتے تھے کہ ریا، عجب، حسد، کبر، بغض وغیرہ سب کا علاج علیحدہ علیحدہ کرتے تھے اور معالج کے لیے یہی سہل بھی ہے گو مریض کے لیے اس میں دشواری ہے۔

مثلاً اگر ایک شخص سر سے پیر تک بیماریوں میں مبتلا ہو اس کے لیے بہت اچھا یہ ہے کہ کوئی ایسا نسخہ تجویز کیا جائے کہ اسی ایک نسخہ سے سب مرض جاتے رہیں مگر یہ معالج کو نہایت دشوار ہے۔ شریعت اسلامیہ کے قربان جایئے کہ اس نے ایسا علاج بتلادیا کہ ایک ہی علاج میں ہر مرض سے رہائی ہوجاتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ بعض شکایتوں میں اصل مرض ایک ہوتا ہے اور باقی سب اعراض ہوتے ہیں(۱) جو کہ اس مرض سے پیدا ہوجاتے ہیں۔

جیسا ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک طبیب سے شکایت کی کہ مجھے نیند نہیں آتی۔ اس نے کہا بڑھاپے کے سبب۔ پھر اس نے کہا کہ میرے سر میں درد بھی رہتا ہے۔ طبیب بولا کہ یہ بھی بڑھاپے کے سبب۔ اسی طرح اس نے بہت سی شکایتیں بتلائیں اور طبیب نے سب کا یہی جواب دیا کہ یہ سب بڑھاپے کی بدولت ہے۔ تو اصل مرض اس شکایت میں بڑھاپا تھا اور باقی سب اس کے اعراض تھے۔

ایک اور نظیر لیجئے، رات کے وقت آپ نے چراغ گل کردیا اور چوہے، چھچھوندر چھپکلی وغیرہ نکلنے شروع ہوئے تو بظاہر یہ بہت سے موذیوں کا ہجوم ہے کہ فرداً فرداً ہر ایک کا دفع کرنا دشوار ہے لیکن سبب ان سب کی طرف ایک چیز ہے یعنی ظلمت۔

اب اس کو دور کر دیا جائے گا تو یہ سارے موذی خود بخود دور ہو جائیں گے۔ اسی طرح شریعت

(۱) اصل بیماری ایک ہوتی ہے باقی بیماریاں اس کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

مطہرہ کی یہ خوبی ہے کہ اس نے تمام شکایتوں میں سے اصل مرض کو منتخب کر کے بتلا دیا۔

بنیادی امراض

اس کی تدبیر بتلا دی کہ اصل مرض ہم میں دو ہیں علی سبیل منع الخلو، یعنی کبھی تو وہ دونوں ہوتے ہیں اور کبھی ایک ہوتا ہے دوسرا نہیں ہوتا لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اس میں سے ایک بھی نہ۔ میں اس کو مفصل ذرا اس لیے بیان کرتا ہوں کہ ہماری حالت بہت کچھ محتاج اصلاح ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہماری اصلاح ممکن ہی نہیں حالانکہ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔ صاحبو! اگر دین ایسا تنگ ہوتا تو قرآن شریف میں یہ ارشاد نہ ہوتا۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً(۱)

نیز مسلمانوں کے لیے خلافت اور سلطنت عطا نہ ہوتی۔ بس یہ سمجھنا کہ اصلاح حالت کے لیے بالکلیہ ترک تعلق کر دینا ضروری ہے محض غلطی ہے وہ اصل مرض ایک تو یہ ہے کہ لوگوں میں تعلیم نہیں اور علم دین سے بالکل ناواقف ہیں۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کی صحبت نصیب نہیں اور میرے اس جملہ سے عقلاء کو اس بیان کی اصل غرض کا پتہ چل گیا ہوگا اور ایک بڑا شبہ بھی حل ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ بعض لوگ علی العموم (۲) یہ سمجھتے ہیں کہ علماء کا مقصود تعلیم دین کی ترغیب سے پورا مولوی بنانا ہے اور بدون اس کے ان کے نزدیک مقصود حاصل نہیں ہوتا تو میرے اس عطف سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان کے نزدیک پورا مولوی بنانا ضروری نہیں۔ بلکہ یا تو پورا مولوی بنایا جائے اور یا بزرگوں کی صحبت ہو۔

اس کو تفصیل سے ذرا یوں سمجھئے کہ ایک تو علم دین کی تعلیم بقدر ضرورت ہے اس تعلیم کا عام ہونا تو نہایت ضروری ہے اور ایک تعلیم ہے اصطلاحی عالم بننا۔ یہ سب کے

لیے ضروری نہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے گورنمنٹ کا قانون کہ بقدر ضرورت قانون کا جاننا رعایا میں سے ہر فرد واحد کے لیے ضروری ہے اور قانون میں پاس کرنا

(۱)'' اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے ہم نے رسولوں کو بھیجا اور ان کی بیبیاں اور اولاد تھی'' سورۃ الرعد:۳۸ (۲) عام طور پر۔

ساری رعایا کے لیے ضروری نہیں اور اگر کوئی گورنمنٹ اس پر مجبور کرے تو بے شک یہ تنگی ہے۔تو اصطلاحی علماء سب نہیں بن سکتے بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ہم تو سب کا اصطلاحی عالم بنانا مناسب بھی نہیں سمجھتے۔اب تو آپ کے شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر سب مولوی ہوجائیں اور مولویت میں مشغول ہوجائیں تو معاش کے اسباب بالکل گم ہوجائیں اور ان اسباب کا محفوظ رکھنا خود شریعت کو مقصود ہے۔

مقصود علماء

اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ سب کا مولوی بنانا جائز بھی نہیں ہے۔اس پر شاید لوگوں کو تعجب ہو لیکن بات یہ ہے کہ مولوی ہونے سے مراد مقتداء ہونا ہے اور مقتدا ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں جن میں سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس شخص میں حق پرستی ہو نفس پرستی نہ ہو طمع اور حرص اس میں نہ ہو کہ اپنی طمع کی وجہ سے مسئلہ کو بدل دے۔علماء بنی اسرائیل میں یہی بات تھی جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔اسی کی نسبت کہتے ہیں۔

بے ادب را علم و فن آموختن دادن تیغ ست دست راہزن(۱)

اور یہ مشاہدہ ہے کہ طمع میں بہت طبائع (۲) مبتلا ہیں جب یہ ہے تو فرض کیجئے کہ ایک شخص میں طمع اور نفس پرستی ہے اور اس کو مقتدا بنادیا گیا تو وہ کیا کرے گا ظاہر ہے کہ بجائے اصلاح قوم کے قوم کو تباہ کرے گا۔اور اپنی طرف سے تراش کر مسئلے لکھے گا۔میں نے ایک شخص کا فتویٰ دیکھا ہے کہ اس نے ایک ہزار روپیہ لے کر ساس سے نکاح کو حلال کردیا تھا۔

ملا جیون کی بے خوفی

دہلی کے ایک بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس کو ایک مرتبہ حریر(۳) پہننے کی طرف میلان ہوا۔ بعض تنخواہ دار مولویوں نے اس کی حلت کا فتویٰ دے دیا اور بہت

(۱)''بری فطرت والے شخص کو علم اور فن سکھانا ایسا ہے جیسے ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دے دی جائے''
(۲)طبیعتیں (۳)ریشمی کپڑا۔

سے وجوہ حلت کے لکھ دیئے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر ملا جیون بھی دستخط کردیں تو میں پہن لوں گا۔ ملا جیون کے پاس استفتاء گیا آپ نے کہلا بھیجا کہ میں دہلی آکر جواب دے دوں گا اور جامع مسجد میں جواب دوں گا۔ چنانچہ آپ دہلی تشریف لائے اور جامع مسجد میں ممبر پر جاکر بعد نقل سوال جواب کے استحلال معصیت کی بناء پر بطور زجر کے فرمایا کہ مفتی و مستفتی ہر دو کافر اند۔ بادشاہ یہ سن کر نہایت غضب ناک ہوا اور اس نے قتل کا حکم دیا۔ بادشاہ کے ایک فرزند کو جو خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے ملا جی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے قتل کی تدابیر ہو رہی ہیں۔ ملا جی نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے اور فرمایا کہ وضو کے لیے پانی لاؤ کہ میں بھی ہتھیار باندھ لوں کیونکہ الوضو سلاح المؤمن۔ حقیقت میں ان حضرات کو تنہا نہ سمجھنا چاہئے۔ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات — بادرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد(۱)

شہزادہ نے جو آپ کے جلال کی حالت دیکھی تو دوڑا ہوا باپ کے پاس گیا اور کہا کہ آپ کیا غضب کرتے ہیں ملا جی آپ کے مقابلہ کے لیے وضو کر رہے ہیں اور بزگوار سلاح وضو درست کر رہے ہیں سج رہے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر تھرا گیا اور کہا کہ اب کیا کروں؟ میں تو حکم دے چکا ہوں۔ شہزادے نے کہا کہ سب کے سامنے میرے ہاتھ ایک خلعت (۲) بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تب ملا جی کا غصہ فرو ہوا۔

اس قسم کے لوگ البتہ مقتداء ہونے کے قابل ہیں اور ایسے بہت لوگ گزرے ہیں برخلاف ان طماع لوگوں کے کہ یہ بجز فساد کے اور کیا کریں گے۔

چنانچہ ایک ایسے ہی بزرگوار کا قصہ ہے اور میں نے ان کو دیکھا بھی ہے کہ ان

سے ایک عورت نے جس کا دوسرے شخص سے تعلق تھا کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس رہنا

(۱) ’’ہم نے اس دنیا میں بہت تجربہ کیا ہے تو یہ بھی بدلہ ملنے کی جگہ ہے جو بھی عاشقان الٰہی کے ساتھ الجھتا ہے خود نقصان اٹھاتا ہے‘‘ (۲) وہ پوشاک جو بادشاہ اُمرا کی طرف سے بطور عزت افزائی ملے۔

نہیں چاہتی اور وہ مجھے طلاق نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا کہ تو کافر ہو جا (نعوذ باللہ) اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔

فرمایئے! اب ایسے لوگ مقتداء ہوں گے تو قوم کی کیا حالت ہوگی اور عجب نہیں کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے ان کے پڑھانے والوں سے بھی باز پرس ہو جب کہ ان کو قرائن سے معلوم ہو کہ یہ ایسے ہوں گے اور یہی وجہ تھی کہ سلف الصالحین انتخاب کر کے پڑھاتے تھے۔ ہر کس و ناکس کو علم دین مقتدائیت کے درجے تک نہ سکھلاتے تھے۔

اس مقام پر شاید متکبرین خوش ہوں کہ ہم کہا کرتے تھے کہ جلاہے تیلیوں کو نہ پڑھایا جائے۔ وہی بات ثابت ہوگئی۔ سو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات سلف صالحین کا انتخاب انساب سے نہیں ہوتا بلکہ ملکات (۱) سے ہوتا تھا۔ یعنی جس شخص میں ملکات فاضلہ دیکھتے تھے ان کو علم دین کی تعلیم کامل دیتے تھے اور جس شخص میں ملکات رذیلہ (۲) دیکھتے تھے اس کو بقدر ضرورت سکھلا کر کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کی رائے دیتے تھے اگرچہ پہلا کسی ادنیٰ اور معمولی گھرانے کا ہو۔ اور دوسرا کسی عالی خاندان کا، اور اگر آپ کو جلاہے تیلیوں سے اس قدر عار آتی ہے تو ان کی جنت میں بھی نہ جایئے گا بلکہ فرعون وہامان کے ساتھ چلے جایئے گا کیونکہ وہ بہت بڑے لوگوں میں تھے۔

صاحبو! نسب کا علو اور سفل غیر (۳) اختیاری ہے اور ملکات کے مقتضا پر چلنا اختیاری ہے اور غیر اختیاری امور میں عزت یا ذلت نہیں ہوا کرتی۔ عزت وذلت کا مدار اختیاری افعال ہوا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے قیامت میں ان انساب کا اعتبار نہ ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے۔ فَلَآ أَنسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٖ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ (۴) اور اس روز ان کے درمیان نہ نسب وخاندان ہوں گے اور نہ اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔

پھر یہ کہ شریف تو پڑھیں نہیں اور اسافل کو(۵) پڑھنے نہ دیں۔ کیسا ظلم ہے۔ خدائی مذہب کا اور اس کا شیوع(۶) تو ضرور ہونے والا ہے اور اس کے لیے ہر زمانے میں

(۱) خوبیوں (۲) بری خصلتیں (۳) اعلیٰ یا ادنیٰ نسب ہونا غیر اختیاری فعل ہے (۴) سورۃ المؤمنون: ۱۰۱ (۵) نچلی قوموں کو (۶) پھیلنے والا ہے۔

غیب سے سامان ہوتا رہا جس وقت تک شرفاء علم کی طرف متوجہ رہے خدا تعالیٰ ان میں بڑے بڑے لوگ پیدا کرتا رہا۔ جس سے دین کی اشاعت ہوئی جب انہوں نے تقاعد کیا(۱) اور علم دین کی طرف سے روگردانی کی خدا تعالیٰ نے یہ دولت دوسری قوموں کو دے دی۔ غرض انساب کو نہ دیکھئے اخلاق کو دیکھنا چاہئے۔

اہل مدارس کو حکیم الامت کا مشورہ

میں اہل مدارس کو یہ رائے دیتا ہوں کہ وہ اپنی ضابطہ پری اور کارروائی دکھلانے کی غرض سے بدطینت لوگوں کو داخل نہ کریں۔ کثرت وقلت تعداد طلباء کی ذرا پروانہ کیا کریں بلکہ جس شخص کی حالت مقتدائیت کے مناسب نہ دیکھیں اس کو فوراً مدرسے سے خارج کردیں۔ میں جب کانپور میں تھا تو ایک مرتبہ تقریباً آٹھ طالب علموں کو جو کہ قریب بفراغ تھے مدرسہ سے خارج کر دیا تھا۔ اہل مدرسہ نے بہت کچھ کہا سنا کہ ان کے نکلنے سے مدرسہ کی کارگزاری میں بڑی کمی واقع ہوگی اور اس سال کارروائی بالکل نہ دکھلائی جاسکے گی۔ میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو کارروائی دکھلانے کا تو اس قدر خیال ہے اور اس کا خیال نہیں کہ یہ لوگ مقتدائے دین ہوں لوگ ان کی پیروی کریں گے اور حالت ان کی یہ ہے تو بجز گمراہ کرنے کے اور کیا ان سے ہوسکے گا۔ تب ان لوگوں کی سمجھ میں آیا۔

غرض آپ لوگ اس کا ہرگز اندیشہ نہ کریں کہ ہم سب کو مولوی بنانے کی فکر میں ہیں کیونکہ ہم بہت سوں کو مولوی بنانا جائز بھی نہیں سمجھتے اور وہ ایسے لوگ ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے۔

زیاں میکند مرد تفسیر دان   کہ علم و ادب میں فروشد بناں(۲)

آج کل جو علماء کا گروہ بدنام ہے یہ انہی طماعوں (۳) کی بدولت ہے۔ واللہ! اگر علماء آج دست کش (۴) ہو جائیں جیسا کہ اہل حق بحمد اللہ ہیں تو یہ بڑے بڑے

(۱) جب دین سیکھنے سے رکے (۲) "تفسیر کا جاننے والا شخص جو علم وادب کو روٹی کے بدلہ بیچتا ہے دین کو سخت نقصان پہنچاتا ہے" (۳) لالچی لوگوں (۴) لوگوں سے ہاتھ کھینچ لیں۔

متکبرین ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ بلکہ علماء کے لیے تو یہ مناسب ہے اگر کوئی دنیا داران کے سامنے کوئی چیز پیش کرے بھی تو لینے سے انکار کردیں۔ صاحبو! علماء کا وجود فی نفسہ ایسا محبوب تھا کہ اگر یہ کسی کے گھر چلے جاتے تو اس دن عید ہونی چاہئے تھی۔ حالانکہ آج وہ دن یوم الوعید (۱) ہو جاتا ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان طماعوں کی بدولت ہر عالم کی صورت دیکھ کر یہ خیال ہوا ہے کہ یہ کچھ مانگنے آئے ہوں گے۔ صاحبو! استغناء وآزادی میں علماء کا تو یہ مذہب ہونا چاہئے کہ

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی　　بے زر وگنج بہ صد حشمت قاروں باشی
در رہ منزل لیلے کہ خطرہا ست بجاں　　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی (۲)

یعنی وہ حالت ہونی چاہئے کہ مال اور جاہ دونوں کو آگ لگادو۔ اگر تم ان امراء کے دروازے پر جانا چھوڑ دو تو یہ خود تمہارے دروازے پر آئیں گے۔

نیک صحبت کی ضرورت

تو ایسے لوگوں کے ہوتے ہوئے تعلیم کامل کو عام نہیں کرنا چاہئے البتہ تعلیم بقدر ضرورت عام ہونی ضروری ہے اور تعلیم کامل کا بدل ایک دوسری چیز ہے یعنی اہل اللہ کی صحبت کہ اس سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ تعلیم کامل کے بعد بھی اس کی ضرورت ہے۔ دیکھئے! بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے کہ وہ بالکل بھی پڑھے نہ تھے اور اسی حالت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر فرماتے ہیں۔ نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب (۳)

لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور معیت حاصل تھی وہی بالکل کافی ہوگئی۔ یہ تو دینی پہلو سے گفتگو تھی۔ اب میں تمدنی پہلو سے صحبت کی ضرورت اور بدون صحبت کے تعلیم کامل کے مفاسد بتلاتا ہوں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اجتماع اور تمدن کے تمام

(۱) مصیبت کا دن (۲) ''اے دل بہتر بات یہ ہے کہ عشق کی شراب میں مست ہو کر بغیر زر اور قانون بے خزانہ زندگی بسر کرے لیلیٰ تک پہنچنے کے لیے راستہ میں جان کو بہت سے خطرات ہیں لیکن قدم آگے بڑھانے کی شرط ہے کہ تو مجنون بن جائے'' (۳) ''ہم ایسی قوم ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے'' المستدرک للامام احمد بن حنبل: ۲/ ۱۲۲۔

مصالح علی وجہ الکمال امن وامان سے اس وقت پورے ہو سکتے ہیں کہ جب تمام لوگوں کی زندگی میں نہایت سادگی اور معاشرت میں بالکل بے تکلفی ہو۔ بناوٹ اور چالاکی کے ساتھ تمام مصالح کا پورا ہونا ممکن نہیں۔ نیز یہ بھی مشاہد ہے کہ اگر علم کامل ہو اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح اگر جاہل ہو اور تربیت نہ ہو تب بھی یہی حالت ہوتی ہے اور مصالح تمدن کا پورا ہونا ضروری ہے۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ مصالح تمدن کا پورا ہونا ضروری اور وہ علی وجہ الکمال (۱) بدون سادگی اور امن وامان کے پورے ہو نہیں سکتے۔ اور سادگی بدون تربیت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور تربیت بغیر علم بقدر ضرورت کے ممکن نہیں۔ تو تربیت کے لیے علم بقدر ضرورت حاصل ہونا ضروری اور سادگی کے لیے تربیت ضروری اور مصالح تمدن کے پورا ہونے کے لیے سادہ زندگی ضروری۔ لہٰذا مصالح تمدن کے لیے علم بقدر ضرورت اور تربیت ضروری ہے۔ چونکہ علم بدون تربیت مورث (۲) عیاری ہے اور عیاری (۳) مصالح تمدن کے لیے مضر ہے۔ لہٰذا علم کامل بدون تربیت کے مضر ہے (۴) اور چونکہ ہر شخص سامان تربیت کا حاصل نہیں کرتا۔ لہٰذا ہر شخص کو علم کامل پڑھانا مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔

لیکن اس پر ناخواندہ لوگ خوش نہ ہوں کہ ہماری امیۃ (۵) ایک درجے میں مطلوب ہو گئی۔ پس اچھا ہوا کہ ہم نے علم حاصل نہ کیا۔ بات یہ ہے کہ آپ کی امیۃ تو حد سے بہت زیادہ گزری ہوئی ہے کہ صحبت سے بھی محروم ہو۔ لہٰذا یہ مطلوب نہیں ہو سکتی۔ تو یا تعلیم کامل مع صحبت ہو یا نری صحبت ہو کیونکہ نری تعلیم کافی نہیں اور نری صحبت کافی ہے مگر ایک شرط وہ یہ کہ جس کے پاس جائے اس کو اپنے دنیاوی قصوں میں مشغول نہ کرے اور اپنے تمام امراض باطن کو بلا کم وکاست اس کے سامنے پیش کر دے اور وہ جو کچھ کہے

اس پرکار بند رہے۔ ہم نے ایسا ایک آدمی بھی نہیں دیکھا کہ پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو۔ اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں لیکن دین کی خدمت کرتے ہیں۔ پس نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا علم ہے۔

(۱) کامل درجہ میں بغیر سادگی (۲) چالاکی پیدا کرنے والی ہے (۳) چالاکی تمدنی مصالح کے لیے نقصان دہ ہے (۴) نقصان دہ (۵) پڑھا لکھا نہ ہونا۔

طریق تعلیم و تربیت

لیکن پھر بھی ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے کہ وہ ان سب کے لیے مرکز ہو۔ یعنی سب تو پورے عالم نہ ہوں مگر چند لوگ ہوں کہ ضرورت کے وقت یہ لوگ ان کی طرف رجوع کر سکیں۔ حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک تو ایسی جماعت کی ضرورت ہے کہ جو علماء کہلائیں۔ دوسرے یہ ضرورت ہے کہ ہر شخص بقدر ضرورت عمل عالم ہے۔ تیسرے اس کی ضرورت ہے کہ ہر شخص کو اہل اللہ کی صحبت حاصل ہو۔

اب میں ہر ایک کی تدبیر بتلاتا ہوں۔ سو اول کی تدبیر یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ بچے ایسے انتخاب کئے جائیں جو کہ ذکی اور ذہین ہوں طبیعت میں سلامتی ہو اور ان کو باقاعدہ تعلیم دی جائے اور ان کے لیے ہر شہر میں ایک ابتدائی مدرسہ ہو۔ مثلاً اس بستی میں ایک ابتدائی مدرسہ قائم کیا جائے کہ اس میں شرح وقایہ نورالانوار تک تعلیم دی جائے اور یہاں تک پڑھ لینے کے بعد ان کو کسی بڑے مدرسہ میں بھیج دیا جائے کہ وہاں ان کی درسیات پوری ہو جائیں۔ اس کی فکر ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے بالخصوص امراء پر اس کا حق زیادہ ہے کیونکہ ان کو خدا تعالیٰ نے فراغ دیا ہے اور ان چھوٹے مدرسوں کو کسی بڑے مدرسہ سے وابستہ کیا جائے کہ وہاں کی سند ان لوگوں کے لیے حجت ہو اور وہ مدرسہ ان سب مدارس کے لیے دارالعلوم کے طور پر ہو۔ پھر ایسے لوگوں کے فتوے اور تعلیمات پوری طرح اطمینان سے ہوں گے بلکہ بہتر یہ ہے کہ جو لوگ وعظ کہنے کے لیے آئے ہوں ان کی بنسبت بھی تحقیق کر لیں کہ وہ کسی مدرسے کے سند یافتہ بھی ہیں کیونکہ آج کل کے واعظوں سے نفع کے بجائے بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔

میں نے دیوبند میں ایک واعظ کو وعظ کہتے سنا۔ اور اس نے یہ آیت پڑھی
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (۱)

(۱) ''یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو'' سورۃ العنکبوت:۱۶

اس کے بعد ترجمہ اس آیت کا کیا کہ تمہارے لیے یہ بہتر ہے کہ تم تالا لگا کر نماز جمعہ کو جایا کرو۔ یہ خرابی تعلمون کی یعنی تالاموند(۱)۔ اس زمانے میں جناب مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم مدرسہ زندہ تھے۔ اس واعظ کو بہت ڈانٹا۔

ایک اور واعظ کانپور میں آئے تھے۔ جامع العلوم میں انہوں نے وعظ کہا، یہ آیت پڑھی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ اور ترجمہ کیا کہ جنت میں ایک تخت ہوگا جس کا ایک ایک پایہ ایک ایک ہزار کوس کا ہوگا اور طرہ یہ کہ کوس کی تفسیر بھی کی کہ بڑے کوس کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ایسے واعظ بھی دیکھے ہیں کہ وہ وعظ کہتے ہیں اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ شراب پیتے ہیں۔ آج کل مقتداء بننا بھی ایسا سستا ہوگیا ہے کہ جس کا جی چاہے وہی مقتدا بن جاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ کسی ایک بڑی جگہ اور مرکزی جماعت سے وابستہ نہیں۔ اس لیے سب خود مختار ہیں لہٰذا بہت ضروری ہے کہ سب کے سب کسی ایسی جگہ اور ایسی جماعت سے وابستہ ہوں کہ ان کا ہر فعل وہاں کی اجازت اور سند کے بعد ہو۔ بدون خاص اہتمام کے یہ جماعت علماء کی قائم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔ مگر اس کا تمام تر اہتمام مولویوں پر نہ رکھو۔ کیونکہ اس میں بعض کام ایسے بھی ہوں گے کہ اس کو مولوی نہیں کرسکتے ہیں، نہ ان کے لیے مناسب ہے۔

مثلاً مدارس قائم کرنے کے لیے چندہ کرنے کی ضرورت ہوگی سو علماء کو مناسب نہیں کہ وہ چندہ کی تحریک میں حصہ لیں۔ اس سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عام لوگ ان کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنی اولاد کو پڑھایا تو وہ بھی یہی مانگنے کا کام کریں گے پس مولوی پڑھانے کا کام کریں اور رئیس چندہ وصول کریں کیونکہ ان پر یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ خود کھاجائیں گے دوسرے جب مولوی پڑھانے کا کام کرتے ہیں تو کھانے

کمانے کے کام بھی ان ہی کے سر کیوں ڈالے جائیں۔ آج کل عوام مولویوں کو بھانڈ کا ہاتھی سمجھتے ہیں۔

(۱) تالا لگاؤ

بھانڈ کا قصہ

مشہور ہے کہ اکبر نے کسی بھانڈ کو خوش ہو کر ایک ہاتھی دے دیا تھا۔ بھانڈ نے ہاتھی تو لے لیا لیکن اس کو خیال ہوا کہ میں غریب آدمی، اس ہاتھی کو کھلاؤں گا کہاں سے۔ اس کی تو چار خوراکوں میں میرا سارا گھر بھی ختم ہو جائے گا۔ آخر اس کو معلوم ہوا کہ آج اکبر کی سواری فلاں طرف سے فلاں وقت گزرے گی جب وہ وقت آیا تو آپ نے ہاتھی کے گلے میں ایک ڈھول ڈال کر اسی طرف اس کو چھوڑ دیا۔ اکبر کی سواری جب گزری تو اس نے دیکھا کہ سامنے سے ایک ہاتھی چلا آ رہا ہے اور گلے میں ڈھول پڑا ہوا ہے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ خاصہ کا ہاتھی ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ ہاتھی اس حالت میں کیوں پھرتا ہے۔ لوگوں نے کہا حضور نے اپنے بھانڈ کو یہ ہاتھی دے دیا تھا۔ اکبر نے بھانڈ کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم نے ہاتھی کو اس حالت میں کیوں چھوڑا ہے؟ کہنے لگا کہ حضور نے مجھے ہاتھی تو عنایت فرمایا مگر میرے پاس کھلانے پلانے کو کیا دھرا تھا۔ آخر یہ سمجھ میں آیا کہ جو میرا پیشہ ہے وہی اس کو بھی سکھلا دوں۔ اس لیے میں نے گلے میں ڈھول ڈال کر چھوڑ دیا کہ مانگو اور کھاؤ۔ اکبر کو یہ لطیفہ پسند آیا اور اس نے ایک گاؤں بھی انعام میں دیا۔

تو لوگوں نے مولویوں کے لیے بھی یہی تجویز کر رکھا ہے کہ کام بھی کرو اور مانگو اور کھاؤ بھی۔ صاحبو! ان کو کیا غرض پڑی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو دولت علم دی ہے۔ ان کو کیا مصیبت پڑی کہ وہ تم سے بھیک مانگیں اور میں مولویوں کو بھی کہتا ہوں کہ آپ کو کامل توکل کرنا چاہئے۔ نیز مولویوں کے مانگنے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ لوگ ان پر یہ اعتراض کریں گے (۱) کہ یہ لوگ دوسروں سے تو مانگتے ہیں لیکن خود کبھی نہیں دیتے اور

(۱) اگرچہ لوگوں کا یہ اعتراض نظر بر واقع صحیح نہیں ہے کیونکہ اول تو مولویوں کے پاس اس قدر سرمایہ کہاں ہوتا ہے کہ وہ چندے دیں۔ دوسرے وہ باوجود سرمایہ نہ ہونے کے بہت زیادہ دیتے ہیں۔ میں چند مثالیں بطور

مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتا ہوں۔ اول حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے زمانہ قیام کانپور میں مدرسہ کی آمدنی میں قلت دیکھ کر اپنی تنخواہ ایک قلم چھوڑ دی تھی جو کہ ۵۰ روپے ماہوار تھے۔ دوم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سلمہ مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم ۴۰ روپے ماہوار پاتے ہیں۔ اہل مدرسہ نے بہت ←

جو محرک نہ دے اس کی تحریک میں شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور رؤسا اگر دوسروں سے پچاس مانگیں گے تو کم سے کم بیس خود بھی دیں گے۔ اس لیے ان پر اعتراض کرنے کا کسی کو موقع نہیں ہے۔ تو یہ طریقہ ہے کام کرنے کا اس طور پر مدرسے کا قائم ہونا نہایت ضروری ہے۔ بالخصوص اس شہر میں کہ یہاں کے لوگوں کو دین کی طرف بہت ہی کم رغبت ہے۔ سراسر دنیا ہی میں کھپے ہوئے ہیں اور زیادہ تر وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں کو علماء کی صحبت بہت ہی کم ہے۔

علماء کی صحبت حاصل کرنے کا طریقہ

جس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خود علماء کو یہاں بلاؤ اور ان سے فیض حاصل کرو۔ عالم کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ اس کے طلوع ہوتے ہی نصف کرہ زمین منور ہو جاتا ہے اور ظلمت بالکل جاتی رہتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیندار عالم ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے تابع بن جائے۔ اس کی صفت یہ ہو کہ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (۱)

اور اس کے لیے کم سے کم ۲۰ یا ۲۵ روپے (۲) ماہوار کا انتظام کرد۔ آج کل لوگ یہ چاہتے ہیں کہ عالم تو بہت بڑا ہو لیکن دس بارہ روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ دینے پڑیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس ایک عالم کی طلب میں ایک خط

→ کوشش کی کہ مولانا کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے لیے یہی بہت کافی ہے۔ سوم حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب سلمہ مدرسہ مدرسہ اول مدرسہ دارالعلوم دیوبند ۵۰ روپے ماہوار پاتے ہیں اہل مدرسہ نے مولانا سلمہ کی ترقی کرنی چاہی لیکن آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ چہارم مولانا مولوی عنایت الٰہی صاحب سلمہ مہتمم مدرسہ سہارنپور ۱۵ روپے ماہوار پاتے ہیں اراکین مدرسہ کے کہنے پر آپ نے اس تنخواہ سے زیادہ لینے سے انکار فرمایا۔ میرے خیال میں آج کوئی شخص دنیاداروں میں اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کر سکتا کہ کسی نے اپنے باب ترقی کو بالکل مسدود کر دیا ہو اپنی پوری تنخواہ محکمہ کے حوالے کر دی ہو اور یہ امداد بعض وجوہ سے متعارف چندہ دینے سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور اس قسم کی بہت

مثالیں ہیں۔سعید(۱)''اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے'' سورۃ المائدۃ: ۵۴ (۲) یہ اس زمانے کی بات ہے جب گندم ایک روپے کا بیس سیر ملتا تھا۔آج کے عالم کی تنخواہ آج کے حساب سے ہونی چاہیے۔

آیا تھا اس میں ان عالم کے لیے بہت سی شرطیں لکھی تھیں کہ وہ ایسے ہوں اور ایسے ہوں کل دس روپے تنخواہ لکھی تھی۔ مولانا فرمانے لگے کہ بھلے مانسو! فی وصف ایک روپیہ تو رکھا ہوتا۔ صاحبو! خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو وسعت دی ہے۔ کچھ مشکل نہیں کہ دس پندرہ روپیہ ماہوار کا ایک مولوی کے لیے انتظام کردیں۔ عمائد شہر اگر اس پر متوجہ ہوجائیں تو بہت آسانی سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ یہ تو بقاء علماء کی صورت تھی۔ دوسرے کام یعنی عمل کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ مدرسے میں جو عالم ہوں ان سے مسائل دریافت کرکے اور حلت وحرمت کو معلوم کرکے ان کے فتوے کے موافق عمل کیا جائے اور جس وقت تک مدرسے کا انتظام نہ ہو اس وقت تک یہ کیجئے کہ کسی ذی علم کو وعظ کے لیے نوکر رکھ لیجئے اس کا کام یہ ہو کہ محلوں میں جاکر وعظ کہے اور ترغیب وترہیب اور احکام شرع کو اس میں بیان کرے۔آپ اس طریق پر عمل کرکے دیکھئے۔ان شاء اللہ تعالیٰ ایک سال میں کتنی حالت درست ہوجائے گی۔ دوسرے یہ کیجئے کہ محلے کے لوگوں کو ہفتے بھر میں ایک دفعہ کسی جگہ جمع کرکے ایک آدمی مسائل کی کتاب لے کر ان کو مسائل سنادیا کریں اور جو لوگ خود پڑھے لکھے ہیں وہ مسائل کی کتابیں خرید کر اپنے پاس رکھ لیں اور روزانہ ان کو دیکھا کریں اور جہاں شبہ رہے کسی عالم سے حل کرلیں۔غرض اس کو عمر بھر کا شغل رکھیں اور عورتوں کے لیے یہ کریں کہ جو پڑھی لکھی ہیں وہ تو یہ کریں کہ کتابیں خرید کر ان کو سبقاً سبقاً پڑھ لیں اور جو بے پڑھی ہیں وہ پڑھی لکھی عورتوں سے سن لیا کریں۔

صحبت نیک کے فوائد

تیسری چیز یعنی صحبت کہ بدون اس کے نہ اعلیٰ درجے کی تعلیم کافی ہے اور نہ ادنیٰ درجے کی اور اسی لیے علماء طلباء سب کے ذمہ اس کا اہتمام ضروری ہے۔ پہلے زمانہ میں جو سب اچھے ہوتے تھے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ سب اس صحبت کا اہتمام رکھتے

تھے اس وقت حالت یہ ہے کہ تعلیم کا اہتمام تو کسی قدر ہے بھی کہ اس پر ہزاروں روپیہ صرف کیا جاتا ہے بہت سا وقت اس کو دیا جاتا ہے مگر صحبت کے لیے فی سال ایک ماہ بھی کسی نے نہیں دیا۔ واللہ! اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو وہ اب امتحان کر کے دیکھے اور خود کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب کرے۔ میں ان شاء اللہ پانچ برس کے بعد دکھلاؤں گا کہ سب کے اقوال، افعال، اعمال، کس قدر درست ہوئے۔ اس وقت شائستگی کے عام ہونے سے یہ حالت ہوگی۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد　　کسے رابا کسے کارے نباشد(۱)

کارے نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کار موذی نہ ہوگا اور اس لیے دنیا جنت کی مثل ہوجائے گی۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ علم سے نیک باتیں معلوم ہوں گی اور صحبت سے اخلاق رذیلہ(۱) دور ہوں گے اور یہی دو چیزیں جہل اور بدخلقی ساری خرابیوں کی جڑ ہیں۔ کیونکہ مثلاً اگر کسی شخص میں تکبر ہو اور اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کا تکبر کبھی اعتراف اور قبول حق کی اجازت نہیں دے گا بلکہ وہ اپنی غلطی پر مصر ہوگا اور ہزاروں آدمی اس غلطی سے گمراہ ہوں گے اور جب تکبر کی اصلاح ہوجائے گی تو یہ بات نہ رہے گی اور اثر اس کا یہ ہوگا کہ ہر غلطی کو تسلیم کرلے گا۔

مولانا قاسم نانوتوی کی فکر

سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے عشاء کے وقت مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس کا جواب دے دیا۔ مستفتی کے(۲) جانے کے بعد ایک شاگرد نے عرض کیا کہ مجھے یہ مسئلہ یوں یاد ہے آپ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو اور مستفتی کو تلاش کرنا شروع کیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس وقت رات زیادہ ہوگئی ہے آپ آرام فرمایئے ہم صبح ہونے پر اس کو بتلادیں گے لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور اس کے مکان پر تشریف لے گئے۔ گھر میں سے اس کو بلایا اور فرمایا کہ ہم نے اس وقت مسئلہ غلط بتلایا تھا۔ تمہارے آنے کے بعد ایک

(۱)''جنت ایسی جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہیں اور کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں''(۱) برے اخلاق (۲) مسئلہ پوچھنے والا۔

شخص نے صحیح مسئلہ ہم کو بتلایا اور وہ اس طرح ہے۔ جب یہ فرما چکے تب چین آیا اور واپس آکر آرام فرمایا تو اس بے چینی کا سبب کیا نرا علم تھا؟ ہرگز نہیں! یہ صرف حال کا اثر تھا جو صحبت سے عطا ہوا تھا۔ اسی کو کہتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو   پیش مرد کاملے پامال شو(۱)

بعض لوگ جن کی تربیت نہیں ہوتی اور مقتداء ہوجاتے ہیں ان کے اخلاق نہایت خراب ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ چھوٹا ہونے سے قبل بڑے ہوجاتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی   تاراہ بیں نباشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق   ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی(۲)

تو پسر بننے سے پہلے پدر بن جانا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے اس لیے سخت ضرورت ہے کہ اول چھوٹا بن کر اخلاق کی درستی کی جائے کہ اس سے اعمال کی درستی ہوجائے گی اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے فراغ دیا ہے وہ تو کم از کم چھ ماہ تک کسی بزرگ کی خدمت میں رہیں لیکن اس طرح کہ اپنا تمام کچا چٹھا ان کے سامنے پیش کردے اور پھر جس طرح وہ کہیں اس طرح عمل کریں اور اگر وہ ذکر و شغل تجویز کریں تو ذکر و شغل میں مصروف ہو جائے۔ اگر وہ اس سے منع کر کے کسی دوسرے کام میں لگادیں اس میں لگ جائے اور ان کے ساتھ محبت بڑھائے اور ان کی حالت کو دیکھتا رہے کہ کسی چیز کے لینے کے وقت یہ کیا برتاؤ کرتے ہیں اور دینے کے وقت کس طرح پیش آتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ تخلق بہ اخلاق اللہ ہوجائے گا اور پھر اس کی

(۱)''باتیں بنانا چھوڑ دو، اپنے اندر کیفیت پیدا کرنے والے بنو اور کسی کامل درجہ کے بزرگ کے پاس رہ کر اپنے آپ کو مٹادو''(۲)''اے بے خبر تو کوشش کر کے معلومات حاصل کر جب تک تو خود راستہ نہ جائے گا راستہ

بتانے والا کیسے بتائے گا جہاں حقیقتوں کا علم سکھایا جاتا ہو وہاں عشق کا ادب سکھانے والے کے سامنے پیش ہو اور ہاں پیارے بیٹے کوشش کرتے رہو کسی دن باپ بن جاؤ گے“۔

ذات سے سراسر نفع ہی پہنچے گا اور جن لوگوں کو فراغ نہیں ہے وہ یہ کریں کہ وقتاً فوقتاً جب ان کو دو چار یوم کی مہلت ہوا کرے اس وقت کسی بزرگ کے پاس رہ آیا کریں۔

اولاد کی ذمہ داری

اور اپنی اولاد کے لیے یہ کرو کہ روز مرہ جیسا ہر کام کے لیے نظام الاوقات ہے ایسا ہی اس کے لیے بھی ایک وقت مقرر کردو کہ فلاں مسجد میں فلاں بزرگ کے پاس جا کر کچھ دیر بیٹھا کریں۔صاحبو! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ فٹ بال کے لیے وقت ہو اور درستی اخلاق کے لیے وقت نہ نکل سکے اور اگر اس شہر میں کوئی ایسا شخص نہ ہو تو چھٹی کے زمانہ میں کسی بزرگ کی خدمت میں بھیج دیا کرو۔اس زمانے میں تو ان کو کوئی کام بھی نہیں ہوتا کم بخت دن رات مارے مارے پھرتے ہیں نہ نماز کے نہ روزے کے، ماں باپ خوش ہیں کہ ہم نماز کے بہت پابند ہیں حالانکہ ان کو یہ خبر نہیں کہ قیامت میں وہ اولاد کے سبب ان کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ (۱)

آج کل لوگ اپنی اولاد کی تربیت ایسی کرتے ہیں جیسا کہ قصائی گائے کی تربیت کیا کرتا ہے کہ اس کو کھلاتا ہے پلاتا ہے حتیٰ کہ وہ خوب موٹی تازی ہوجاتی ہے لیکن غرض اور مال اس کا یہ ہوتا ہے کہ اس کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہے اسی طرح یہ لوگ اپنی اولاد کو جب زیب وزینت اور تعیش میں پرورش کرتے ہیں اور انجام اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ لقمہ جہنم ہوتے ہیں اور ان کی بدولت مربی (۲) کی بھی گردن ناپی جاتی ہے کیونکہ اس تعیش کی بدولت اولاد کو نہ نماز کی خبر ہوتی ہے اور نہ روزے کی۔بعض نامعقول تو حد سے اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کو اسلام کی کسی بات کی بھی خبر نہیں ہوتی۔

(۱) سنن ابوداؤد کتاب الخراج ب ا، سنن الترمذی: ۱۷۰۵ (۲) تربیت کرنے والے کی۔

ان کے باپ نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ میرا لڑکا لندن سے آرہا ہے۔ تمہارے شہر سے اس کا گزر ہوگا اگر تم اسٹیشن پر اس سے مل لو تو بہتر ہوگا کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ان کے لکھنے کے موافق یہ مکتوب الیہ اسٹیشن پر گئے اور جا کر ان بیرسٹر صاحب سے ملے۔ اس وقت بیرسٹر صاحب کھانا کھا رہے تھے چونکہ رمضان شریف تھا اس لیے ان کو تعجب ہوا اور انہوں نے دریافت کیا کہ رمضان شریف ہے آپ نے روزہ نہیں رکھا صاحبزادے پوچھتے ہیں کہ رمضان کیا چیز ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ رمضان ایک مہینہ کا نام ہے۔ کہنے لگا جنوری فروری الخ ان میں تو رمضان کہیں نہیں آیا۔ آخر اس کی یہ حالت دیکھ کر ان کو سخت صدمہ ہوا اور سمجھے کہ منبع الکفر کا مسخ شدہ ہے[۱] اس کی حالت میں تغیر نہ آنا معلوم ہوا اور انا للہ پڑھ کر چلے گئے۔

اب آپ غور کیجئے کہ یہ مسلمانوں کے بچے ہیں۔ مسلمان خواتین کی گودوں کے پرورش کئے ہوئے ہیں اور آغوش جہنم میں دیئے جارہے ہیں۔ صاحبو! اگر یہی رنگ رہا تو عجب نہیں کہ پچاس برس کے بعد یہ لوگ اپنے کو مسلمان کہنا بھی ننگ وعار سمجھیں اتنا اثر تو اب بھی آگیا ہے کہ اسلامی نام پسند نہیں ہے۔ آپ خوش ہیں کہ ہم نے بی اے کروایا، ایم اے کرادیا حالانکہ آپ نے جہنم کی پگڈنڈی پر چھوڑ دیا ہے اور آنکھوں پر ایسے چشم بند[۲] چڑھائے ہیں کہ شاہراہ جنت نظر ہی نہ آسکے۔

صاحبو آپ کہتے ہیں کہ مولوی انگریزی پڑھنے سے منع کرتے ہیں واللہ ہم منع نہیں کرتے۔ خدا کے لیے ان کا دین تو خراب نہ ہونے دو۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان کو اہل اللہ کی صحبت حاصل ہو۔ خیر اگر چھ مہینے دوزخ میں جانے کا کام کریں گے تو چھ مہینے جنت میں جانے کا کام بھی تو کرلیں گے۔ یاد رکھو کہ اہل اللہ کی صحبت وہ اکسیر ہے کہ

گر تو سنگ خارہ مرمر شوی　　　چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی[۳]

(۱) دارالکفر میں رہنے کی وجہ سے اس کی اسلامی حالت مسخ ہوگئی ہے (۲) ایسے پردے ڈالدئے (۳) ''اگرچہ تو سنگ خارہ اور مرمر جیسا سخت دل بھی ہو جب کسی صاحب دل کے پاس پہنچے گا گوہر کی سی قدر و قیمت پائے گا''۔

اور کہتے ہیں

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت نکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است (۱)

مذہب کی روح

صاحبو! صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اگرچہ کسی وقت نماز روزے میں کوتاہی ہو جائے اگرچہ یہ بات میرے کہنے کی نہیں ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ کوئی شخص نماز و روزے کو خفیف سمجھ جائے مگر مقصود میرا جو کچھ ہے ظاہر ہے غرض ضرورت اس کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو نہ ظاہری نماز کام کی اور نہ روزہ، وہ حالت ہے جیسے طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔ ایک شاعر نے طوطے کی وفات کی تاریخ لکھی ہے لکھتا ہے۔

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربہ موت نے جو آدابا کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے ٹے

اس میں ۱۲۳۰ھ تاریخ موت نکلتی ہے یہ تاریخ اگرچہ ہے تو مسخرہ پن لیکن غور کیا جائے تو اس نے ایک بڑی حکمت کی بات کہی ہے یعنی یہ بتلا دیا کہ جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو تو حافظ قرآن بھی ہوگا تب بھی آٹے دال کا بھاؤ ہی دل میں لے کر مرے گا۔ جیسا کہ اس وقت غالب حالت رہتی ہے کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے اور صاحبو! اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے خدا کے لیے اپنی اولاد پر رحم کرو اور ان کو اسلام کے سیدھے ڈگر پر چلاؤ۔

(۱) ''تھوڑی سی دیر اللہ والوں کے پاس بیٹھ جانا سو سال کی بے ریا عبادت سے بڑھ کر ہے نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی کی بھی حاصل ہو جائے تو سو سال کی زہد و طاعت سے بڑھ کر ہے''۔

صاحب کمال کی علامتیں

اب میں اپنے بیان کو ایک ضروری بات پر ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ صحبت کے لیے جس شخص کو تجویز کیا جائے وہ کیسا ہو اور اس کے صاحب کمال ہونے کی علامتیں کیا ہیں۔ سو علامتیں اس کی یہ ہیں کہ۔

(۱) ایک تو بقدر ضرورت علم دین جانتا ہو (۲) دوسرے شریعت پر پوری طرح کاربند ہو (۳) تیسرے اس میں یہ بات ہو کہ جس امر کو خود نہ جانتا ہو علماء سے رجوع کرتا ہو۔

(۴) چوتھے علماء سے اس کو وحشت نہ ہو (۵) پانچویں یہ کہ اس میں روک ٹوک کی عادت ہو۔ مریدین اور متعلقین کو ان کی حالت پر نہ چھوڑ دیتا ہو۔

(۶) چھٹے یہ کہ اس کی صحبت میں برکت ہو کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہوتی جائے۔

(۷) ساتویں یہ کہ اس کی طرف صلحاء اور دین کے سمجھنے والے لوگ زیادہ متوجہ ہوں اور یہ بڑی علامت ہے کمال کی۔

جس شخص میں یہ علامتیں پائی جائیں وہ مقبول ہے اور کامل ہے اس کے پاس جایئے اور اس کی صحبت سے مستفیض ہو جایئے اور اس کی ضرورت نہیں کہ آپ اس سے بیعت ہو جائیں کیونکہ پیری مریدی کی حقیقت مقصود ہے اور وہ یہی ہے جو مذکورہ ہوئی اس کی صورت مقصود نہیں ہے جیسے آج کل کہ وہ محض رسم کے طور پر رہ گئی ہے جیسے کہ بعض جگہ نکاح ایک رسم سمجھ کر کیا جاتا ہے گو عنین (۱) ہی ہو۔ ایسے ہی بطور رسم کے مرید بھی ہوتے ہیں، ہاں اگر قلب میں نہایت تقاضا پیدا ہو تو مرید ہونے میں بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن مرید ہونے کے لیے سخت جانچ کی ضرورت ہے ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے یہ سات علامتیں جو اوپر مذکور ہوئیں ضرور دیکھ لیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے ان کو دو لفظوں میں ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں۔

(۱) نامرد۔

کار مرداں روشنی و گرمی ست　　　کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست(۱)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اے بسا ابلیس آدم روئے ست　　　پس بہر دستے نباید دست(۲)

نیک صحبت کے آداب

البتہ صحبت کے کچھ آداب بھی ہیں بدون ان کے صحبت نافع نہیں۔ منجملہ ان آداب صحبت کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے پاس جا کر دنیا کی باتیں نہ بنایئے جیسے کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر بھی دنیا بھر کے قصے جھگڑے اخبار کے واقعات ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

نیز حتی الوسع بزرگوں کو تعویذ گنڈوں کی تکلیف بھی نہ دینی چاہئے ان حضرات سے تعویذ گنڈے لینا ایسا ہے جیسا کہ سنار کے پاس کھرپایا کلہاڑی بنوانا بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص ہاتھ میں ہاتھ لیتا ہے وہ اللہ میاں کا نعوذ باللہ رشتہ دار ہو جاتا ہے کہ جو کام بھی اس سے کہا جائے وہ اللہ میاں سے ضرور پورا کرا دیتا ہے حالانکہ ایسا مختار سمجھنا خلاف توحید ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ بجز عرض کے ذرا کچھ دخل دے سکے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میرا مقدمہ مولانا نے فرمایا کہ دعا کروں گا۔ اس نے کہا کہ دعا کرانے نہیں آیا۔ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں یوں کہہ دیجئے کہ میں نے یہ کام پورا کر دیا۔ مولانا ناخوش ہوئے۔

پیلی بھیت میں ایک بزرگ کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کچھ عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ اس نے سنا نہیں ایک شخص اور بیٹھے تھے انہوں نے حکایت کے طور پر اس سے کہا کہ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ وہ بزرگ سخت برہم ہوئے اور کہا کہ مجھ کو کیا خبر کہ فضل کرے گا یا نہ کرے گا۔ تم نے

(۱) ’’مردوں کا کام روشنی اور گرمی اور کمینوں کا کام بہانے بنانا اور بے حیائی ہے‘‘ (۲) ’’بہت سے لوگ جو آدمی کے جیسی صورت تو رکھتے ہیں مگر شیطان ہیں اس لیے ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے‘‘

اپنی طرف سے گا کیسے بڑھایا۔ اسی طرح تعویذوں کی فرمائش بھی ان حضرات کے مذاق کے بالکل خلاف ہے بھلا جس نے عمر بھر طالب علمی اور اللہ اللہ کیا ہو وہ کیا جانے کہ تعویذ کیا ہوتے ہیں اور ان کو کس طرح لکھا جاتا ہے اور پھر لطف یہ کہ تعویذ بھی دنیا سے نرالے کاموں کے لیے۔

بمبئی سے ایک پہلوان کا خط آیا کہ میری کُشتی ہونے والی ہے۔ مجھے ایک تعویذ لکھ دو کہ میں جیت جاؤں۔ میں نے لکھا کہ اگر تمہارا مقابل بھی کسی سے تعویذ لکھا لے تو کیا ہوگا۔ پھر تعویذ تعویذ میں کشتی ہوگی۔ عجب نہیں کہ لوگ چند روز میں مردوں کے بچہ پیدا ہونے کے لیے بھی تعویذ ہی لکھوالیا کریں جس میں نکاح ہی کی ضرورت نہ رہے کیونکہ جب تعویذ میں ایسا اثر ہے کہ وہ ہر ایک کام میں کام آسکتا ہے تو مردوں کے بچہ پیدا ہونے میں بھی ضرور کام آنا چاہئے۔ صاحبو! اہل اللہ کے پاس اللہ کا نام دریافت کرنے کے لیے جاؤ۔

خلاصہ اس سب تقریر کا یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لیے اہل اللہ کی صحبت طویلہ کو تجویز کرو۔ یہ تو مردوں اور تندرستوں کے لیے ہے۔

صحبت نیک کا بدل

اور جو اپاہج یا عورتیں ہوں تو ان کے لیے صحبت کا بدل یہ ہے کہ ایسے بزرگوں کے ملفوظات دیکھا کریں یا سنا کریں۔ ان کے توکل صبر وشکر تقویٰ طہارت کی حکایتیں دیکھنا سننا یہی صحبت کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ ان دونوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔ صحبت کے متعلق تو کسی کا قول ہے۔

مقام امن و مے بیغش و رفیق شفیق　　　گرت مدام میسر شود زہے توفیق (۱)

اوران کے حکایات وارشادات کے متعلق کسی کا شعر ہے۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی خلل ست　　　صراحی مئی ناب وسفینہ غزل ست (۲)

(۱) ’’امن کا تو مقام ہو اور شراب بغیر کسی دھوکے کے ہو اور سچا دوست موجود ہو تو اگر یہ چیز ہمیشہ کے لیے حاصل ہوجائے تو بڑی خوش قسمتی ہے‘‘ (۲) ’’اس زمانہ میں وہ دوست جو برائی سے خالی ہو عمدہ شراب کی بھری

صراحی اور غزل کی کشتی ہے"

مگر وصیت کرتا ہوں کہ مثنوی اور دیوان حافظ یعنی علوم مکاشفہ اور اہل حال کا کلام نہ دیکھیں کیونکہ اکثر اوقات ان کی بدولت ہلاک ہوتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نکتہا چوں تیغ فولادست تیز — چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپرمیا — کز بریدین تیغ را نبود حیا!(۱)

اور جب اہل حال صادق کے کلام میں اس قدر احتمال مضرت ہے(۲) تو جو جاہل بے شرع بدلگام ہیں ان کا کلام تو کس درجہ مضر ہوگا۔ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند — از سخنہا عالمے را سوختند(۳)

اسی طرح جو لوگ محض بزرگوں کے کلام کو نقل بے سمجھے کیا کرتے ہیں ان کی تحریر وتقریر سے بھی بوجہ اس کے کہ اصل سے بدلی ہوئی ہوتی ہے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ایسوں کی نسبت فرماتے ہیں۔

حرف درویشاں بدزد مردوں — تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں(۴)

ہاں احیاء العلوم کا ترجمہ دیکھو، اربعین کا ترجمہ دیکھو ان شاء اللہ تعالیٰ ہر طرح کا فائدہ ہوگا۔ یہ بیان ختم ہو چکا۔ اس بیان میں آپ نے دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے وہ نسخہ بتلایا ہے کہ اس میں نہ معاش کا حرج ہے نہ کوئی نقصان ہے اور مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔

اس آیت میں اسی کے متعلق ارشاد ہے نسمع میں تقلید اور نعقل میں تحقیق کا ذکر فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دوزخ سے بچنے کے لیے دو طریق ہیں یا تقلید ہو یا تحقیق۔

---

(۱) "تصوف کے نکتے فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہیں اگر تیرے پاس ڈھال حفاظت کا سامان نہ ہو تو واپس جا اس الماس (تلوار) کے سامنے بغیر ڈھال کے مت جا کیونکہ تلوار کو کاٹتے وقت کسی کا شرم ولحاظ نہیں ہوتا" (۲) نقصان کا احتمال (۳) "وہ لوگ کیسے ظالم ہیں جو آنکھیں بند کر کے اپنی باتوں سے دنیا کو جلائے دیتے ہیں" (۱) "ناسمجھ کمینے لوگ درویشوں کے الفاظ کو چرا کرنا واقف لوگوں کے سامنے منتر کی طرح پڑھتے ہیں"۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق عمل عطا فرمائیں۔ یہ بھی دعا کیجئے کہ یہاں مدرسہ ہوجائے کہ اس کے بہانے سے پھر آنا ہو۔ آمین یارب العالمین (۱)

(۱) بہت عمدہ وعظ ہے اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی
۸/۷/۲۰۲۰

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارة أشرف التحقیق۔ جامعة دار العلوم الاسلامیة۔ لاهور

۱۔　بحمد اللہ تعالیٰ تمام قارئین کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے سبب مہتمم جامعہ ہذا حضرت قاری احمد میاں تھانوی دامت برکاتہم العالیہ مکمل صحت یاب ہو کر جامعہ میں مستقل آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بڑوں کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم ودائم فرمائے۔

۲۔　گذشتہ ماہ وفاق المدارس العربیہ کے زیر انتظام جامعہ میں امتحانات کا انعقاد ہوا جس میں اللہ کے فضل وکرم سے جامعہ کے طلباء نے تمام درجات میں عمدہ کامیابی حاصل کی۔ بلا شبہ کرونا کے سبب تعلیمی نقصان کافی ہوا لیکن اس کے باوجود طلباء نے ان تھک محنت کر کے اس نقصان کے ازالے کی بھرپور کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ تمام دینی مدارس کے طلباء کے علم وعمل میں برکتیں نصیب فرمائے۔

۳۔　جامعہ کے اہم کاموں میں سے ایک کام حضرت تھانویؒ کے مواعظ کی نشر و اشاعت ہے اور اب ان مواعظ کے انگریزی تراجم بھی شائع کئے جا رہے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک وعظ انگریزی میں ترجمہ کر کے طبع کیا گیا تھا جس کو عوام الناس نے بہت پسند کیا اور ان کی فرمائش پر اس سلسلے کے دوسرے وعظ ''آداب المساجد'' کا ترجمہ کروا لیا گیا ہے جو اب مکمل ہو کر طباعت کے لئے تیار ہے۔ اس وعظ کا انگریزی عنوان ''Respec of Mosques'' ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائے اور عوام الناس کے لئے نافع بنائے۔